اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ

ماہنامہ

قندیل ادب

اپریل 2016ء

مدیر: رانا عبدالرزاق خان

07886304637 & 02089449385

rana_razzaq@hotmail.com

اک عجب شور سا بپا ہے کہیں
کوئی خاموش ہو گیا ہے کہیں

تو مجھے ڈھونڈھ میں تجھے ڈھونڈوں
کوئی ہم میں سے رہ گیا ہے کہیں

جون ایلیا

www.qindeel-e-adub.com

ماہنامہ
قندیل اَدب اِنٹرنیشنل
لندن

مدیر:
رانا عبدالرزاق خان

شمارہ نمبر:40 | اپریل 2016ء

فہرست

نامے جو میرے نام آتے ہیں	ادارہ	2
غزلیات:	عبیداللہ علیم۔مبارک صدیقی	
میر محمود احمد ناصر۔ پروفیسر محمد ہادی مونس۔حیدر علی آتش۔راحت اندوری۔ مضطر عارفی۔ احمد فراز۔آدم چغتائی۔صابر ظفر۔مظفر احمد مظفر۔احمد مبارک۔اکرم محمود۔ احمد منیب ۔ستنام کور(الفورڈ)بشارت احمد بشارت (جرمنی)انجم شہزاد انجم(الفورڈ)عاصی صحرائی۔محمد شریف خالد جرمنی ۔خواجہ عبدالمومن۔ناروے۔انشاء جی ۔ طارق احمد مرزا۔ ڈاکٹر منور احمد کنڈے(ٹیلفورڈ)خواجہ عبدالمومن اوسلو ۔ناروے۔اطہر حفیظ فراز۔ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ۔امجد مرزا امجد۔سرفراز شاہد۔		3-7
میں پاکستان ہوں	رانا عبدالرزاق خان۔لندن	8
قندیل شعروسخن کے زیر اہتمام ساجد محمود رانا کے ساتھ ایک شام	رانا عبدالرزاق خان۔لندن	11
روشن خیالی اور انتہا پسندی	اے آر راجپوت	12
مردم شماری سے مذاق	اے آر راجپوت	
پاکستان کے آٹھ سحر انگیز قلعے	بلال افتخار	13
احتساب	اے۔آر۔رانا	14
اقتصادی ایٹم بم کی ضرورت	ابن لطیف	15
ممتاز قادری کے گلے میں پھندا	رانا محمد حسن لندن	16
جنرل راحیل شریف	اثر چوہان	17
جنرل بخت خان		
الگ سے	احمد منیبؔ۔ایم۔اے	18
آسٹریلیا میں چینی زبان سیکھنے کا رُجحان	ڈاکٹر طارق احمد مرزا۔آسٹریلیا	20
دلچسپ تاریخی حقائق	ثقلین مبارک آسٹریلیا	20
بے گھر لوگوں کے آباد شہر	فراز حمید خان	21
جواں سال شاعر ساجد محمود رانا	عذراؔ نازریڈنگ۔یوکے	22
کراچی امن کی جانب	اے حق۔لندن	23
قیامت کی ۲۰ نشانیاں	اعزاز لطیف خاں	23
غزل انصاری کے ''سنہرے خواب''	اسحاق ساجد جرمنی	24
حبیب جالب اور ناصر کاظمی		24
ہائے یہ بوائے فرینڈ	رجل خوشاب	25
قندیل شعروسخن مشاعرہ بالہم لندن	رانا عبدالرزاق خان	26
پانچویں دوکان	امجد مرزا امجد	27

مجلس ادارت

زکریا ورک،امجد مرزا امجد،ایم اے حق بھارت،خواجہ عبدالمومن ناروے،آصف علی پرویز

نگرانِ اعلیٰ	:	خان بشیر احمد خان رفیق لندن
مدیر	:	رانا عبدالرزاق خاں
معاون مدیر	:	سید حسن خان
مدیر خصوصی	:	سہیل لون
ڈیزائنر	:	خورشید خادم
مینجنگ ڈائریکٹر	:	عاصی صحرائی
فوٹوگرافی	:	قاضی عبدالرشید،فضل عمر ڈوگر
آڈیو وڈیو	:	محمد اشرف خاکی

اراکین مشاورتی بورڈ

آدم چغتائی،منور احمد کنڈے،رضیہ اسمٰعیل برمنگھم،رند ملک کنیڈا، اسلم ناصر آسٹریلیا،اے حق یوکے ٹائمز،ثقلین مبارک آسٹریلیا،رانا مبارک احمد بحرین،بشیر احمد خان سویڈن،راجہ منیر احمد،ڈاکٹر منصور خوشتر بھارت،منور احمد خورشید۔

گزارش

ہم سب اہل علم احباب کی خدمت میں گذارش کرتے ہیں کہ اپنے ادبی فن پارے ،غزل،نظم، افسانہ، مشاعرے کی روئیداد وغیرہ جو بھی اِن پیج میں ارسال کیا جائے گا۔بلاتفریق اسے معیار کے مطابق شائع کیا جائے گا۔جو دوست بھیجتے ہیں اُن کی قدر کی جاتی ہے۔قندیل ادب تمام ممالک جہاں اسے قارئین موجود ہیں تقریباً دو لاکھ قارئین تک جاتا ہے اور ویب سائٹ سے بھی پڑھا جاتا ہے۔ہماری کوشش ہے کہ ہم نادر اور نئی تخلیقات کو اس میگزین میں جگہ دیں۔اور ہر بھیجنے والوں کی حوصلہ افزائی کریں،اور اس میگزین کا معیار بھی عوامی کریں۔ہر ادیب و شاعر،نقاد،افسانہ نگار،اُردو کے خدمتگار کی عزت افزائی کریں۔ہمیں کوئی صلہ مقصود نہیں۔اگر آپ نے کوئی کتاب لکھی ہے تو اس کا نام اور تعارف لکھ بھیجیں۔اگر آپ کے پاس ادبی فن پارہ کوئی نہیں تو اپنے ریمارکس ہی ارسال کر دیا کریں تا کہ ہم اپنا محاسبہ کرتے رہا کریں۔شکریہ۔

رانا عبدالرزاق خاں

نامے جو میرے نام آتے ہیں

امجد مرزا امجدؔ صاحب رقم طراز ہیں

جناب رانا صاحب

سلام و آداب

قندیل ادب ہمیشہ کی طرح اپنی پوری آب و تاب سے ڈھیر سارے ادبی رنگوں کے ساتھ آسمانِ ادب پر چمک رہا ہے۔ دلی خوشی ہوتی ہے کہ اس دیارِ غیر میں جس محنت اور لگن سے آپ اور آپ کی ٹیم اس کام کو نہایت کامیابی کے ساتھ سرانجام دے رہی ہے وہ قابلِ ستائش ہے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک آپ سب کو ہمت اور طاقت کے ساتھ صحت و تندرستی والی طویل عمر سے نوازے تا کہ آپ اسی طرح لگن و محبت سے ادب کی خدمت میں کوشاں رہیں۔

فرخ ندیم گلگت پاکستان سے رقم طراز ہیں

محترم رانا عبدالرزاق خاں صاحب

السلام و علیکم

آپ کا قندیل ادب عرصہ تین سال سے مجھے مل رہا ہے۔ شکریہ۔ اُردو ادب میں دیارِ غیر میں بیٹھ کر ایسا شاندار اضافہ کرنا یہ آپ کے شوق اور لگن کا پتہ دیتا ہے۔ یہ ایک منفرد ادبی رسالہ ہے۔ اس کے مضامین غیر معمولی طور پر ادبی، معلوماتی، مزاحیہ اور سبق آموز ہوتے ہیں۔ اس میں لکھنے والے بھی مختلف مزاج اور علوم کے ماہر ہیں۔ مضامین سے ان کے مقام سے انسان آگاہ ہوتا ہے، بلکہ محظوظ ہوتا ہے۔ میں نے کچھ تاریخی مضامین تحریر کئے ہیں اگر اجازت ہو تو ارسال کر دوں۔ شکریہ۔

پروفیسر محمد ہادی مونس کنیڈا لکھتے ہیں

ماہنامہ قندیلِ ادب مارچ ملا ماشاء اللہ بہت خوبصورت اور دیدہ زیب ہے۔ آپ کی کاوش قابل تحسین ہے۔ ان ممالک میں اُردو کو زندہ رکھنا، اور فنی شہکاروں کو اکٹھا کرنا کوئی آسان کام نہیں، میں اس ادبی خزینے کو اپنے سب دوستوں کو ارسال کر کے ادب کو پروموٹ بھی کرتا ہوں۔ شکریہ

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ تحریر کرتی ہیں

بھائی رانا عبدالرزاق صاحب سلام

آپ کو خوبصورت میگزین نکالنے پر بہت بہت مبارکباد۔ آپ کی بے لوث ادبی خدمات کا کوئی صلہ نہیں۔ میں اپنی ایک نئی کتاب آپ کی خدمت میں ارسال کر رہی ہوں۔ شکریہ۔

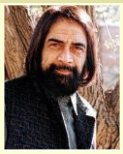

غزل - عبیداللہ علیم

تیرے پیار میں رُسوا ہو کر جائیں کہاں دیوانے لوگ
جانے کیا کیا پوچھ رہے ہیں یہ جانے پہچانے لوگ
ہر لمحہ احساس کی صہبا روح میں ڈھلتی جاتی ہے
زیست کا نشہ کچھ کم ہو تو ہو آئیں مے خانے لوگ
جیسے تمہیں ہم نے چاہا ہے کون بھلا یوں چاہے گا
مانا اور بہت آئیں گے تم سے پیار جتانے لوگ
یوں گلیوں بازاروں میں آوارہ پھرتے رہتے ہیں
جیسے اس دنیا میں سبھی آئے ہوں عمر گنوانے لوگ
آگے پیچھے دائیں بائیں سائے سے لہراتے ہیں
دنیا بھی تو دشتِ بلا ہے ہم ہی نہیں دیوانے لوگ
کیسے دکھوں کے موسم آئے کیسی آگ لگی یارو
اب صحراؤں سے لاتے ہیں پھولوں کے نذرانے لوگ
کل ماتم بے قیمت ہو گا آج ان کی توقیر کرو
دیکھو خونِ جگر سے کیا کیا لکھتے ہیں افسانے لوگ

غزل - مبارک صدیقی

میں تھوڑا سا درویش بھی ہوں، میں تھوڑا دنیا دار
مری آنکھ بھلے ہو دُشمن پر، مرے دل میں ہر دم یار
وہ یار کہ جس کا پیر پڑے تو دشت بنے گلزار
وہ یار کہ جس کی ایک جھلک سے من میں چین قرار
وہ یار کہ جس کے حسن کی لو سے دیپک جائیں جل
وہ یار کہ جس کو دیکھ کے دُکھ کے سورج جائیں ڈھل
وہ یار کہ جب جب مل جائے میں بھولوں سارے دُکھ
گُل پوش نظارے ہو جائیں اور دل میں سُکھ ہی سُکھ
وہ حُسن کہ جس کو دیکھ کے برسے خوشیوں کی برسات
وہ چاند کہ جس کی خاموشی میں سو باتوں کی بات
اُس سوہنے سُچے سُندر سے دلدار کے صدقے جاواں
جو دھڑکے دل کی دھڑکن میں اُس یار کے صدقے جاواں

غزل

نعت

میر محمود احمد ناصرؔ

میرے دلبر ہو تم میرے دلدار بھی
تم میرے یار ہو اور مرا پیار بھی
تم سے ڈرتا بھی ہوں تم پہ مرتا بھی ہوں
تم میری جیت ہو اور مری ہار بھی
میری خوشبو ہو تم میرے عطار بھی
میرا نغمہ ہو تم میرے فنکار بھی
میرے گل رُو ہو تم میرے گلزار بھی
تم میرے پھول ہو میں ترا خار بھی
میرے مقصود ہو میرے مطلوب ہو
میرے محبوب ہو میری سرکار بھی
میرے معبود ہو میرے مسجود ہو
میرے مومن ہو تم میرے سرکار بھی
مجھ کو حاصل رہے مجھ کو دائم ملے
تیرا دیدار بھی تیری گفتار بھی
نام تیرا ہی جپتا ہوں، ڈرتا ہوں میں
میری تسبیح ہو تم میرے زنار بھی
میں سادات، میں میر ہوں خوار بھی

نعت

پروفیسر محمد ہادی مونس

وہ کون ہے جو کبھی تجھ سے فیضیاب نہیں
جہانِ ارض و سما پر تیرا جواب نہیں
تیرے وجود مبارک میں خاص برکت ہے
تیرے بغیر کسی شے پہ آب و تاب نہیں
تو آفتاب کی مانند ضو فشاں ہر دم
تیری کتاب ہے افضل تریں کتابوں میں
کسی کتاب میں قرآں جیسے باب نہیں
تیرے وجود سے دنیا میں انقلاب آیا
کسی مذہب میں ایسا کبھی انقلاب نہیں
خدا کے پاک پیمبرؐ کی شان میں مونسؔ
درود پڑھنا صبح و شام کم ثواب نہیں

غزل

حیدر علی آتشؔ

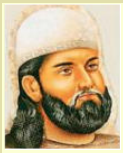

بدن سا شہر نہیں، دل سا بادشاہ نہیں
حواس خمسہ سے بہتر کوئی سپاہ نہیں
وہ آب و رنگ کہاں روئے کا کل پر
ہزار آنکھ ہو نرگس کی وہ نگاہ نہیں
صدا یہ قبر سے بیدار دل کو آتی ہے
عمل جو نیک ہوں تو ایسی خواب گاہ نہیں
نہ پاک ہوگا کبھی حسن و عشق کا جھگڑا
وہ قصہ ہے یہ کہ جس کا کوئی گواہ نہیں
فقیر بن کے قدم مار اس میں اے آتش
طریقِ احمدؐ مُرسل سی شاہراہ نہیں

غزل

راحت اندوری

لوگ ہر موڑ پہ رُک رُک کے سنبھلتے کیوں ہیں
اتنا ڈرتے ہیں تو پھر گھر سے نکلتے کیوں ہیں
میکدہ ظرف کے معیار کا پیمانہ ہے
خالی شیشوں کی طرح لوگ اُچھلتے کیوں ہیں
موڑ ہوتا ہے جوانی کا سنبھلنے کے لیئے
اور سب لوگ یہیں آ کے پھسلتے کیوں ہیں
نیند سے میرا تعلق ہی نہیں برسوں سے
خواب، آ، آ کے مری چھت پہ ٹہلتے کیوں ہیں
نہ میں جگنو ہوں دیا ہوں نہ کوئی تارا ہوں
روشنی والے مرے نام سے جلتے کیوں ہیں

غزل

مظفر عارفی

صلہ کوئی تو سرِ اوجِ دار دینا تھا
نہیں تھا پھول تو پتھر ہی مار دینا تھا
حریفِ دار بھی پروردگار دینا تھا
دیا تھا غم تو کوئی غم گسار دینا تھا
یہ وہ زمین تھی جو آسماں سے اُتری تھی
یہ وہ حوالہ تھا جو بار بار دینا تھا
وہ اک حسین تھا اس عہد کے حسینوں میں
اُسے کسی نے تو کافر قرار دینا تھا
مَیں اپنی تنگیٔ داماں کا عذر کیا کرتا
وہ دے رہا تھا اُسے بے شمار دینا تھا
تم اپنے آپ سے ملتے اگر اکیلے تھے
کڑا تھا وقت تو ہنس کر گزار دینا تھا
نہیں بتاتا تھا لوگوں کو اپنا نام و پتہ
سرِ صلیب کوئی اشتہار دینا تھا
وہ بے لحاظ بھی کہتا کبھی خدا لگتی
اُسے بھی زخم کوئی مستعار دینا تھا
وہ برگزیدہ شجر لڑ رہا تھا موسم سے
کہ پھولنا تھا اُسے برگ و بار دینا تھا
ہمیں بھی عہد کے انجام سے تھی دل چسپی
کہ ہم فقیروں کا اس نے اُدھار دینا تھا
اُٹھائے پھرتے ہو مظفرؔ اُجاڑ گلیوں میں
یہ سر کا بوجھ تو سر سے اُتار دینا تھا

بہادری

عورت کی دلیری کا اندازہ آدمی کو شادی والے دن ہی لگا لینا چاہیئے۔جب مرد اُسے لینے کے لئے سو آدمیوں کی بارات ساتھ لے کر جاتا ہے۔اور وہ شیرنی کی طرح اکیلی ہے چلی آتی ہے۔

غزل

احمد فراز

غم حیات کا جھگڑا مٹا رہا ہے کوئی
چلے آؤ کہ دنیا سے جا رہا ہے کوئی
ازل سے کہہ دو کہ رُک جائے دو گھڑی
سُنا ہے آنے کا وعدہ نبھا رہا ہے کوئی
وہ اس ناز سے بیٹھے ہیں لاش کے پاس
جیسے روٹھے ہوئے کو منا رہا ہے کوئی
پلٹ کر نہ آجائے پھر سانس نبضوں میں
اتنے حسین ہاتھوں سے میت سجا رہا ہے کوئی

غزل

آدم چغتائی

چہرہ دوست پہ جو نازِ شناسائی ہے
اُس کے دامن میں ہماری بھی پزیرائی ہے
قلزمِ فکر میں بہتا ہے سفینہ میرا
انجمن ساز میرا جذبہ تنہائی ہے
خود کو تعمیر کیا صبر کی بنیادوں پر
ظلم بھی مہر بلب آج تماشائی ہے
فن بہر حال صداقت کا ہنر ہے مانگے
بے ہنر زیست میں رسوائی ہی رسوائی ہے
ایک ہم ہیں کہ ترے در پر گداؤں کی طرح
ایک تو ہے کہ زمانہ تیرا شیدائی ہے
خود بنایا ہے مجھے توڑ بھی اُس نے ڈالا
کتنا معصوم مرا دوست جو ہرجائی ہے
اہلِ نخوت کا ستایا ہوا عاصی آدمؔ
ترا بندہ تیری رحمت کا تمنائی ہے

خواتین ڈرائیور

خواتین ڈرائیور بھی عجیب ہوتی ہیں۔
حادثے کے خطرے کے وقت بریک مارنے کی بجائے ''چیخ مارتی ہیں''

غزل

صابر ظفر

دن کو مسمار ہوئے رات کو تعمیر ہوئے
خواب ہی خواب فقط رُوح کی جا گیر ہوئے
عمر بھر لکھتے رہے پھر بھی ورق سادہ رہا
جانے کیا لفظ تھے جو ہم سے نہ تحریر ہوئے
یہ الگ دُکھ ہے کہ ہیں تیرے دُکھوں سے آزاد
یہ الگ قید ہے کہ ہم کیوں نہیں زنجیر ہوئے
دیدہ و دل میں ترے عکس کی تشکیل سے ہم
دُھول سے پھول ہوئے رنگ سے تصویر ہوئے
کچھ نہیں یاد کہ شب رقص کی محفل میں ظفرؔ
ہم جدا کس سے ہوئے کس سے بغل گیر ہوئے

غزل

مظفر احمد مظفر

شمارِ ناوکِ جورو جفا کیا
حسابِ تلخیٔ صبح و مسا کیا
فقط اک داغ سجدہ ہے جبیں پر
یہی ہے بندگانی کا صلہ کیا
دعا کیوں کارگر ہوتی نہیں ہے
مرا دردِ جگر ہے لادوا کیا
سفینہ دُور رَکھ گردابِ غم سے
ڈبو دے گا ہمیں اے نا خدا کیا
فریبِ آرزو گر اِبتدا ہے
تو ہوگی جستجو کی اِنتہا کیا
میں وَقفِ گریہ رنجِ سفر ہوں
دِکھاؤں زخم ہائے دَست و پا کیا
قتیلِ غمزہ و نازِ بُتاں ہوں
میرے بارہ میں مجھ سے پوچھنا کیا
شہیدِ حسرتِ نا کام ہوجا
''نہ ہو مرنا تو جینے کا مزہ کیا

غزل

احمد مبارک

میرے فردا کے لئے رات کو رونے والے
تجھ کو کب جانتے ہیں چین سے سونے والے
دیکھ آنے کو ہے عالم پہ کوئی تازہ بہار
خواب آئندہ سے تکیوں کو بھگونے والے
وہ جو اس پار ہیں سرگرداں سرِ حلقہء غیر
کوئی پل جاتا ہے سب ہیں تیرے ہونے والے
تیری آواز کے قدموں سے لپٹ جاتا ہوں
مجھ سے بے جاں میں نئی جان سمونے والے
اب یہی دُھن ہے کہ ہر زخم کو تازہ رکھوں
میرے زخموں کو بہت ناز سے دھونے والے

دُعا

اکرم محمود

میرے حق میں کوئی دعا سائیں
بے رنگ ہوں رنگ چڑھا سائیں
گم کردہ راہ مسافر ہوں
مجھے کوئی راہ دکھا سائیں
میرے دل میں تو ظہور کرے
میرے من میں دیا جلا سائیں
میری جھولی میں پھل پھول گریں
کوئی شاخ سبز ہلا سائیں
میرے تن کا صحرا مہک اُٹھے
میری ریت پہ پھول اُگا سائیں
میرے دل میں تیرا درد رہے
ہو جائے دل دریا سائیں
مجھے لفظوں کی خیرات ملے
میرا ہو مضمون جدا سائیں
کوئی نہیں فقیر مرے جیسا
کہاں دہر میں تجھ جیسا سائیں

میری آنکھ میں ایک ستارہ ہو
میرے ہاتھ میں گلدستہ سائیں
تیری جانب بڑھتا جاؤں میں
اور ختم نہ ہو رستہ سائیں
تیرے پھول مہکتے رہیں سدا
تیرا جلتا رہے دیا سائیں

غزل

احمد منیب

تیری ہر بات ہے طلسمانہ
پیار سے کہ دیا ہے دیوانہ
بھولیں ہم کس طرح وفا تیری
تیرا انداز ہے جداگانہ
کیسے دُکھ میں پڑے ہیں ہم دونوں
غم سے چھلکا پڑا ہے پیمانہ
اب نہ زُلفوں سے نہ تم رہا کرنا
اَب طبیعت ہوئی ہے زندانہ
ہوش آتے ہی ہوش جاتے ہیں
تیرا درشن بہت ہے رندانہ
آج زوروں پہ پیاس تھی میری
جام میں بھر دیا ہے مے خانہ

دُعا

ستنام کور (الفورڈ)

گر کے سجدے میں میرے خدا مانگا ہے
اندازِ سخن اپنا جدا مانگا ہے
تیری پسند کے بندوں کے وسیلے سے آج
ہو قبول میرا وہ حرفِ دعا مانگا ہے
کروں محبت میں تیرے نیک بندوں سے
فقط ایک یہی شوق سدا مانگا ہے
ہو جائے روشنی ظلم کے اندھیروں میں
تیرے نورِ کرم کا وہ دیا مانگا ہے
نہ کر محتاج دنیا میں کبھی ستنامؔ کو
جو مانگا فقط تجھ سے اے خدا مانگا ہے

اُردو ماہیے

بشارت احمد بشارت (جرمنی)

اک پھول سا چہرہ ہے
گاؤں کے ماتھے پر
یاری کا سہرا ہے
نفرت سے بیگانے ہیں
گاؤں کے ہم باسی
یاروں کے دیوانے ہیں
ہم لوگ دوہائی دیں
یاروں کی یاری کی
سب لوگ گواہی دیں
کبھی دل نہ دکھایا ہے
ساتھ سدا اپنے
یاروں کو پایا ہے
سدا پیار کی چھاں آئے
اپنی یاری پر
مولا نہ خزاں آئے

غزل

انجم شہزاد انجمؔ (الفورڈ)

میرے حقوق کو پائمال کرنے والے ہیں
فقیہِ شہر کوئی چال چلنے والے ہیں
ہمیں نے دُکھ کے الاؤ میں ہاتھ ڈالا ہے
ہمیں سے درد کے رشتے نکلنے والے ہیں
کسی نے چھین لیا ہے کسی کی آنکھ کا نُور
کسی کے ہاتھ سے دو ہاتھ کٹنے والے ہیں
میرے لہو میں ہیں شامل محبتیں، تیری
چراغ جن سے وفاؤں کے جلنے والے ہیں
ٹھہر سکو تو ذرا مُڑ کے دیکھ لینا انہیں
وہ لوگ جو کہ تیرے ساتھ چلنے والے ہیں
ہمیں امید کہ ساحل سے لوٹ جانا ہے
وفا کے شہر کے موسم بدلنے والے ہیں
میرے وطن کی سیاست شکارِ سازش ہے
ہمارے ملک کے نقشے بدلنے والے ہیں
جو جل رہا ہے لہو سے چراغ تو کیا ہوا
اِسی سے کتنے دِیئے بھی سلگنے والے ہیں
سنبھل کے گھر کے چراغوں کے دئے ہوا انجم
چراغ کتنے ہواؤں میں جلنے والے ہیں

غزل

عاصی صحرائی

مغموم سی یہ بستی ہے
یادِ ماضی سدا ترستی ہے
ذہنوں میں آج بھی وہ پستی ہے
کیسی انسان کی یہ ہستی ہے
پی کے بھی غم بھلا نہیں سکتے
کیسی سر مست اُن کی مستی ہے
زندگی سوگوار نہ کرتے ہیں
آگ سینے میں سلگتی ہے
زخموں کے منہ بھی بھر جاتے ہیں
عاصیؔ زندگی زندگی کو ڈستی ہے

غزل

محمد شریف خالد جرمنی

ہر روز ہی ملتے ہیں اِدھر سے بھی اُدھر سے
کیا بات کوئی یار جو مل جاتا ہے پھر سے
خوشبو کو کوئی لاکھ چھپائے بھی تو پھر بھی
کنعان پہنچ جاتی ہے بازارِ مصر سے
مل جاتا ہے جب باپ کو بچھڑا ہوا یوسف
کیا گزرے ہے یہ پوچھ پدر سے نہ پسر سے
اے دوست میں اُس دوست کو پھر دیکھنا چاہوں
مل کر جو کوئی آئے مسیحا و خضر سے
اے یار قدم پھونک کے اور دیکھ کے رکھنا
جاتے ہوئے جاتے ہو جدھر کو بھی جدھر سے

غزل

خواجہ عبدالمومن۔ناروے

استفادہ کرتے کرتے رہ گئے
دائرے میں اپنے چلتے رہ گئے
دل میں آیا تھا میرے جو بھی خیال
بات دل کی کہتے کہتے رہ گئی
عشق کا دریا بھی کرنا تھا عبور
عشق کی کشتی میں بیٹھے رہ گئے
وقت جب آیا وصال یار کا
اپنے بستر میں ہی سوتے رہ گئے
وہ جو دنیا کو بناتے تھے خدا
وقتِ رخصت ہاتھ ملتے رہ گئے
جو تکبر سے گراتے تھے ہمیں
اپنی قسمت پر وہ روتے رہ گئے
نخلِ طیب پھولتا پھلتا رہا
اور دشمن سارے جلتے رہ گئے

غزل

انشاء جی

کچھ کہنے کا وقت نہیں یہ، کچھ نہ کہو، خاموش رہو
اے لوگو خاموش رہو ہاں اے لوگو، خاموش رہو
سچ اچھا، پر اس کے جلو میں، زہر کا ہے اک پیالہ بھی
پاگل ہو؟ کیوں ناحق کو سقراط بنو، خاموش رہو
حق اچھا، پر اس کے لئے کوئی اور مرے تو اور اچھا
تم بھی کوئی منصور ہو جو سُولی پہ چڑھو؟ خاموش رہو
اُن کا یہ کہنا سورج ہی دھرتی کے پھیرے کرتا ہے
سر آنکھوں پر، سورج ہی کو گھومنے دو، خاموش رہو
مجلس میں کچھ حبس ہے اور زنجیر کا آہن چبھتا ہے
پھر سوچو، ہاں پھر سوچو، ہاں پھر سوچو، خاموش رہو
گرم آنسو اور ٹھنڈی آہیں، من میں کیا کیا موسم ہیں
اس بگھیا کے بھید نہ کھولو، سیر کرو، خاموش رہو
آنکھیں موند کنارے بیٹھو، من کے رکھو بند کواڑ
انشاء جی لو دھاگہ لو اور لب سی لو، خاموش رہو'

غزل

طارق احمد مرزا

رائیگاں کب بھلا گئے آنسو
عرش تک کو ہلا گئے آنسو
ہر زمانے میں بن کے سیلِ رواں
نقشِ باطل مٹا گئے آنسو
نارِ نمرود، نارِ بُولہبی
کب نہ کس کو مٹا گئے آنسو
پھر نہ کہلائی وہ خدا جن کو
ایک ٹھوکر لگا گئے آنسو
آگ شبنم بنی ، بنی گلشن
کیا سے کیا کیا بنا گئے آنسو
میں کہاں اور کہاں یہ خُلدِ بریں
کیا عجب اُس کو بھا گئے آنسو
گو زبانوں پہ تھے کڑے پہرے
داستانیں سُنا گئے آنسو
لاکھ طارقؔ حجاب مانع تھا
سارے پردے اُٹھا گئے آنسو

غزل

ڈاکٹر منور احمد کنڈے (ٹیلفورڈ)

گہرے ہیں دل کے زخم بہت عاشقی کے ساتھ
منسوب بے وفائی ہوئی دوستی کے ساتھ
پھولوں کی منزلوں میں ہے کانٹوں کی راہگزار
دیکھو برہنہ پا ہوں میں دیوانگی کے ساتھ
لگنے کو لگ رہا ہوں میں تنہا مگر نہیں
یادوں کا ربط گہرا ہے اس زندگی کے ساتھ
پتھر نہ پھینک مجھ پہ کہ پاگل نہیں ہوں میں
یہ چاک ہے گریباں گر دل لگی کے ساتھ
میں نے سلام اس کو سر راہ کر لیا
بہتان کیا اٹھائے ہیں سادہ دلی کے ساتھ
دل کے چمن میں ایسے منور ہیں خار و گل
ہمراہ یاس و رنج ہوں جیسے خوشی کے ساتھ

قطعہ

خواجہ عبدالمومن اوسلو۔ناروے

فضل تیرا مانگتا ہوں ہر گھڑی تجھ سے خدا
اپنی رحمت سے عطا کر دے مجھے اپنی رضا
حاسدوں کے حسد سے اور ابتلاؤں سے بچا
خدمتیں مقبول ہوں انجام کر بہتر مرا

۲

قمرا لضیاء کو ظالموں نے کردیا شہید
اک بیٹا ماں کا ، بھائی تھا، بچوں کا باپ تھا
اسکو ملی ہے اس لئے یہ دائمی حیات
جنت میں سب شہیدوں کا ہونا ملاپ تھا

غزل

اطہر حفیظ فراز

تمنا مٹ ہی جاتی ہے، ارادے ٹوٹ جاتے ہیں
ذرا سی بات سے یہ برسوں کے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں
نجومی سے ذرا کہنا یہ دل کیسے سنبھلتا ہے
اچانک جب مقدر کے ستارے ٹوٹ جاتے ہیں
تصادم ہو دو چیزوں کا تو دونوں بچ نہیں سکتیں
مگر دل یاد میں اکثر اکیلے ٹوٹ جاتے ہیں
کبھی تم نے بھی دیکھا گگن پر جبکہ ساون ہو
ذرا بجلی گرے جاناں! نظارے ٹوٹ جاتے ہیں
شناسا ہو ہی جاتے ہیں گھڑی بھر میں رقیبِ جاں
پلک جھپکیں تو یاروں کے سہارے ٹوٹ جاتے ہیں
خداوندا! یہ تو نے بھی عجب ایک ریت ڈالی ہے
کھلے جب آنکھ تو پھر خواب سارے ٹوٹ جاتے ہیں
غمِ دنیا، غمِ پوجا، غمِ جاناں، غمِ تنہا
سمندر جب بپھرتا ہے کنارے ٹوٹ جاتے ہیں
نہ دیکھا کر تواتر سے مری راہوں کو اے جاناں!
مسلسل جب چمکتے ہوں تو تارے ٹوٹ جاتے ہیں
مرے ہمدم! تو کچھ یادیں امانتاً ہی واپس لے!

کثافت جب زیادہ ہو سہارے ٹوٹ جاتے ہیں!
مرے یارو! خداوند سے روابط کو سدا رکھنا!
زلازل جب بھی آتے ہیں منارے ٹوٹ جاتے ہیں
حقیقت ہے، کہ جب اپنا رُخِ زیبا دکھا ڈالے!!
فرازؔ اپنی غزل کے استعارے ٹوٹ جاتے ہیں

غزل - ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ

مرے آسماں تُو ہے مہرباں، مجھے آشیاں تو ملے وہی
مرے دل کا وہ جو مکین ہے، مجھے مہرباں تو ملے وہی
تری آرزو ہے بھلے کوئی، مری جستجو تو ہے بس وہی
مری سب نشانیاں کھو گئیں، مجھے اب نشاں تو ملے وہی
شبِ غم جو ہے تری تیرگی، رہے عمر بھر مری ہم نشیں
جو ستارہ میں نے گنوا دیا، مجھے ضو فشاں تو ملے وہی
بھلے سنگ دل، بھلے بے وفا، مرا چارہ گر تو وہی ہے بس
جو گریز پا ہے ابھی تلک، مجھے جانِ جاں تو ملے وہی
مجھے جس کی اب بھی ہے جستجو، پڑھوں رات دن اسے باوضو
مری آنکھ سے جو نہاں ہے اب، مجھے رازداں تو ملے وہی
تری کبریائی سے ہے جُڑا، مرے عجز کا جو جہان ہے
پڑے اک نگاہ تری اگر ، مجھے کہکشاں تو ملے وہی
نہ وہ دشت ہے ، نہ چناب ہے، نہ میں کوئی سسی ، نہ ہیر ہوں
مجھے عشق نے کیا بے نشاں، مجھے داستاں تو ملے وہی

وقت سے ڈر کر رہو!

امجد مرزا امجدؔ

جب بھی حکومت نے کسی کو باہر سے بلوایا ہے
اس نے آکر تگنی کا ہی سب کو ناچ نچوایا ہے
انہوں نے اپنی ساری گندم باہر ہی بھجوا دی ہے
بدبختوں نے اربوں کھربوں کا یوں مال کمایا ہے
آٹے کے جو طالب ہیں وہ لمبی لائین لگائے ہیں
اِک صد سے بھی کم کا آٹا تِن صد میں بکوایا ہے
پیسے والے کھائیں پیزا یا کہ الیف سی کا چکن
بھوک و غربت کے مارے کو سولی پہ لٹکایا ہے
روٹی کپڑا اور مکان کے نعرے جھوٹ پلندہ ہیں
حسبِ سابق ہر لیڈر نے اُلّو ہمیں بنایا ہے
وطن کی حرمت رہن میں رکھ کے دنیا کے مقروض ہوئے
قرضہ پہلے معاف کرایا اب بھی معاف کرایا ہے
سب کچھ چھوڑ کے دنیا میں تو ہر اِک کو مر جانا ہے
پائی پائی دینی ہوگی جس کا مال چھپایا ہے
وقت سے ڈرنا اچھا امجدؔ وقت سبھی کا مالک ہے
وقت قضا ہے وقت سزا ہے سولی پہ لٹکایا ہے

غزل - سرفراز شاہد

لبوں پہ آ کے قلفی ہو گئے اشعار سردی میں
غزل کہنا بھی اب تو ہو گیا دشوار سردی میں
محلے بھر کے بچوں نے دھکیلا صبح دم اس کو
مگر ہوتی نہیں اسٹارٹ اپنی کار سردی میں
مئی اور جون کی گرمی میں جو دلبر کو لکھا تھا
اسی خط کا جواب آیا ہے آخر کار سردی میں
دوا دے دے کے کھانسی اور نزلے کی مریضوں کو
معالج خود بچارے پڑ گئے بیمار سردی میں
کئی اہلِ نظر اس کو بھی ڈسکو کی ادا سمجھے
بچارا کپکپایا جب کوئی فنکار سردی میں
یہی تو چوریوں اور وارداتوں کا زمانہ ہے
کہ بیٹھے تاپتے ہیں آگ پہریدار سردی میں
لہو کو اس طرح اب گرم رکھتا ہے مرا شاہین
کبھی چائے، کبھی سگرٹ، کبھی نسوار سردی میں

ایک بات یاد رکھو!

اللہ اور ڈاکٹر کو کبھی ناراض مت کرو۔ کیونکہ اللہ جب ناراض ہوتا ہے تو وہ آپ کو ڈاکٹر کے پاس بھیج دیتا ہے اور جب ڈاکٹر ناراض ہوتا ہے تو وہ آپ کو اللہ کے پاس بھیج دیتا ہے۔

میں پاکستان ہوں

رانا عبدالرزاق خان۔لندن

وطن عزیز کے باسیو! میں پاکستان ہوں۔میں تمہارا جنت نظیر پیارا وطن ہوں۔میں اسلام کا ناقابل تسخیر قلعہ ہوں تم سب میری پناہ میں ہو! آزاد اور خودمختار ہو!۔ میں حضرت قائداعظمؒ کے خوابوں کا جزیرہ ہوں۔ میں شمع آزادی کے لاکھوں پروانوں کی قربانیوں کا ثمر ہوں۔ میں بیسویں صدی کا معجزہ ہوں۔ میری بنیاد دوقومی نظریہ پر رکھی گئی تھی۔ میں داغ ہجرت کی تفسیر ہوں۔آج سے تقریباً ۷۶ سال پہلے کی بات ہے کہ آج ہی کے دن لاہور میں ایک بہت بڑا جلسہ ہوا۔جس میں برّصغیر پاک و ہند کے نامور مسلم قائدین شامل تھے۔اسی جلاس میں ایک قرارداد پیش کی گئی۔ جسے میرے نام سے منسوب کیا گیا۔یعنی قرارداد پاکستان۔اگرچہ مجھے بنانے کا مشورہ تو پہلے ہی کافی عرصے سے چل رہا تھا۔مگر اب ۲۳/مارچ ۱۹۴۰ء کو مجھے بنانے کا پکا ارادہ کرلیا گیا تھا۔

مارچ 1940ء کو جب مسلمانان ہند قائداعظم کی قیادت میں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے تو انہوں نے بادشاہی مسجد کے فلک بوس میناروں اور راوی کے سرسبز و شاداب کناروں کو گواہ بنا کر قرارداد لاہور پیش کی تھی۔اس کے ساتھ ہی غیر ملکی حکمرانوں کے ایوانوں پر لرزہ طاری ہوگیا تھا۔میرا نام ''پاکستان'' میرے ایک سپوت بیرسٹر چودھری رحمت علی نے رکھا۔قائداعظم اور اسکے رفقائے کار مسلم لیگیوں نے اس خاکے میں رنگ بھرے۔لیاقت علی خان، سردار عبدالرب نشتر، سر ظفراللہ خان، فاطمہ جناح آگے آئے۔یہ لوگ میرے خدمت گار تھے۔انہوں نے میرا نام روشن کیا، میرا وقار بلند کیا۔قائداعظم محمد علی جناحؒ میری تحریک کے قائد تھے۔ انہوں نے قرارداد منظور ہونے کے بعد مجھے بنانے کے لئے انتھک محنت شروع کردی۔ اور برصغیر کے مسلمانوں کے ساتھ مل کر تقریباً سات سال کے عرصے میں مجھے پایۂ تکمیل تک پہنچا دیا۔میرے بانی قائداعظم محمد علی جناحؒ ایک بہادر انسان تھے۔وہ ایک مضبوط کردار کے مالک تھے۔وہ اٹل، مستقل مزاج اور اصول پسند تھے۔ان کی گفتگو مدلل اور سحر انگیز ہوتی تھی۔قائداعظم محمد علی جناحؒ ذہین پارلیمانی شخصیت ایک ہوشیار نقاد اور بے لوث سیاستدان تھے۔ان کا بے مثال جذبہ حُریت اور شبانہ روز محنت ہی وہ سرمایہ تھا جس نے میرے جیسا (پاکستان) زندہ معجزہ دکھا دیا۔ جسے دیکھ کر ساری دنیا حیران و ششدر رہ گئی۔ان کی شخصیت غیر معمولی صفات کی حامل تھی۔ وہ مسلمانان ہند کے سیاسی مسیحا تھے۔ان کی ساری زندگی پر آج تک کسی نے اُنگلی نہیں اٹھائی۔غیر کیا مخالف اور دشمن بھی ان کے کردار کے معترف تھے۔وہ قائد جنہوں نے خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر اپنی ذہانت سے مجھے حاصل کیا۔میں پانچ صوبوں پر مشتمل تھا۔پنجاب، سندھ، سرحد، بلوچستان اور بنگال جسے مشرقی پاکستان بھی کہتے تھے۔ میرے اپنے بھی میرے قیام پر خوش نہ تھے۔قائداعظم کو کافر اعظم کہنے والے علماء سُوٗ نے مجھے پلیدستان، اور ناپاکستان کے نام سے پکارا۔اور نام نہاد فتووں سے میرے اور اسلام کے تشخص کو بگاڑنے کی بھرپور کوشش کی۔سوائے ایک (جماعت) کے کسی بھی مذہبی جماعت نے من حیث الجماعت میری تائید نہ کی۔علمائے سُوٗ نے گاندھی اور نہرو کی خوب مدح سرائی کی۔مجھے قسم ہے اگر میں جھوٹ بولوں۔تاریخ آزادی کا مطالعہ کرکے دیکھ لو۔انہی کھوٹے سکّوں نے بالآخر مجھے بدنام کرکے رکھ دیا۔ ہاں انفرادی حیثیت میں مسلمانوں نے میری تعمیر میں خوب حصہ لیا۔میرے لئے لاکھوں انسانوں نے دنیا کی عظیم ترین ہجرت کی صعوبتیں برداشت کیں۔نقل مکانی پر مجبور ہوئے۔آگ اور خون کے دریا عبور کئے۔میرے بیٹے سروں پر کفن باندھ کر باطل قوتوں سے ٹکراتے رہے۔انہوں نے سردھڑ کی بازیاں لگا کر یوں شمع آزادی کو روشن رکھا اسی جدوجہد میں لاکھوں دُلہنوں کے سہاگ لُٹے، ماؤں کے لال قتل ہوئے، بہنوں کے بھائی مارے گئے۔ لاکھوں بچے یتیم ہوئے یہ دُرست ہے کہ غلامی کی اندھیری رات میں جشن چراغاں منانے کے لئے خون شہادت کے چراغ جلانے پڑتے ہیں۔نوع انسانی کے اُجڑے ہوئے گلستانوں میں خون کی ندیاں بہائے بغیر بہاروں کا سماں پیدا نہیں ہوسکتا۔قیمتی جانوں کی قربانیاں اور خاندانوں کی بربادیاں میری آزادی کے لئے خشتِ اوّل ثابت ہوئیں تب یہ آزادی ملی۔مگر میرا وجود مسلسل غیر محفوظ رہا۔میرے سر پر خطرات کے بادل منڈلاتے رہے۔ مجھے ہمہ وقت چیلنج درپیش رہے۔قائداعظمؒ نے جن خطرات کی نشاندہی مارچ ۱۹۴۶ء میں کی تھی۔وہی بالآخر ہماری تباہی اور قومی انتشار، تفریق کا باعث بنی۔انہوں نے دُکھ بھرے لہجے میں انتباہ کیا تھا۔''وہ دشمن قوتیں جو قیام پاکستان کے خلاف تھیں اپنی ناکامی کے بعد قوم کو تقسیم کرنے کے درپے ہیں۔ان کے جھانسے میں نہ آنا۔انہوں نے مزید انکشاف کیا تھا کہ بعض شرپسند عناصر دشمنوں سے پیسے لے کر انتشار پھیلا رہے ہیں۔

جو طبقہ منحنی سوچ کا علمدار تھا۔اس نے مجھے دل سے آج تک تسلیم نہیں کیا۔بلکہ نہرو، گاندھی اور سرحدی گاندھی کے رویے کی طرح میرے وجود سے اب تک انکاری ہیں۔اپنی مرضیاں مجھ پر مسلط کرنے کے درپے رہے۔گروہی، لسانی، مذہبی سیاست کو فروغ دیا۔اور اقتداری طاقتوں کے درباری بن کر اپنے مقاصد پورے کرتے رہے۔ماشل لاء آیا تو اسے سلام کیا اگر جمہوریت آئی تو اسے بھی سلام کرکے مفاد پرست ٹولے نے مطلب براری کو پورا کیا۔بعض جبہ پوش نام نہاد علماء سُو جیسے میرے نام پر اُدھار کھائے بیٹھے تھے۔ان اسلام کے ٹھیکیداروں نے مساجد کو اپنا بزنس بنالیا۔ اور اسلام کے نام پر مدرسہ جات کھول کر ایک متشدد دین کی فوج ظفر موج تیار کرلی۔مالی امداد سعودیہ سے حاصل کی (جن وہابیوں کو یہ کتا گردانتے تھے۔نعوذ باللہ) ان کی

امدادی رقوم کو اسی گروہ نے شیر مادر سمجھ کر ہڑپ کرلیا۔اور لگے انکل سام کے سپاہی بن کر روسی یلغار کو جہاد اسلام سمجھ کر روکنے۔اور پھر اس وقت کے نام نہاد مرد مومن نے ہیروین کلچر، کلاشنکوف کلچر کو خوب پروان چڑھایا۔اور اس کے علاوہ شیعہ سنی فساد کو پھیلا کر خون کے دریا بہائے۔خود تو صاحب انجام بد کو پہنچے مگر مجھے بھی ایک مسلسل نہ ختم ہونے والی آگ میں دھکیل گئے۔مجھ پر جنگیں مسلط کی گئیں۔

۱۹۶۵ء کی جنگ جیت کر مذاکرات کے میز پر ہار دی گئی۔میجر جنرل اختر علی ملک کو دوران جنگ تبدیل کر دیا گیا تا کہ جیتی ہوئی جنگ کا سہرا شرابی یحییٰ خان کے سر پر سجایا جاسکے۔بعد ازاں اگرتلہ سازش کیس کے ذریعہ بنگلہ دیش کی بنیاد رکھی گئی۔دونوں پاکستان جو بھائی بھائی تھے۔ان میں تفرقہ ڈال کر ہندو اور ہندو نواز ٹولے نے آمریت کے سائے میں بنگالی بھائیوں کے قومی اور انسانی حقوق غصب کرنے کی مسلسل کوششیں کیں۔نام نہاد الشمس اور البدر کے خدائی فوجداروں نے تشدد کو فروغ دیا۔اور جو کینہ وَر تقسیم ہند سے اس دوقومی نظریہ کے جانی دشمن تھے۔ان کو موقع مل گیا۔لسانی اور مذہبی سیاست کا ڈھنڈورا پیٹا گیا اور یحییٰ خان کو مرد کامل قرار دینے والوں کی بات بن گئی۔پھر ہوس اقتدار کے دیوانے آئے۔جنہوں نے جیتی ہوئی پارٹی کو حکومت بنانے کی دعوت دینے کی بجائے (اُدھر تم اِدھر ہم) کا نعرہ لگایا۔انتہائی بُرا وقت اُس وقت دیکھنے کو ملا جب میرا ایک بازو مجھ سے الگ کر دیا گیا۔میرے اندرونی اور بیرونی دشمن بالآخر 1971ء میں مجھے دوتن کرنے میں کامیاب ہوئے نام نہاد قائد عوام نے لوگوں کو خوب بے وقوف بنایا۔طلباء کو اساتذہ سے لڑایا۔ہاری کو زمیندار سے لڑا دیا۔مزدور کارخانہ دار کے گلے پڑ گیا۔اس طرح سب نظام چوپٹ ہو گیا۔روٹی کپڑے اور مکان کا ایسا پرکشش نعرہ دیا کہ اسے تو ووٹ ملے مگر عوام کو کچھ نہ ملا۔پھر اس نے اسلام کو استعمال کیا۔اسلامی ممالک سے دولت ہتھیانے کی غرض سے اسلامی کانفرنس کا ڈھونگ رچایا۔کہ اسلامی یکجہتی کا مظاہرہ کرنے کی خاطر خود مفتی دین متین بن بیٹھا۔ایک کلمہ گو فرقہ کو اپنی کرسی کے زور پر اسلام سے نکالنے کی ناکام کوشش کی۔اور خود اسلام سے نابلد اتنا تھا کہ جب اس پر اس کے ملک کے ہائی کورٹ میں اس پر مقدمہ چلا تو اسے نام کا مسلمان قرار دیا گیا۔پھر اُسے سمجھ آئی اور اس نے جواب دعویٰ داخل کروایا کہ مذہب انسان اور خدا کا معاملہ ہے۔مذہبی طاقتوں کو اس کی بعض حرکات کہاں پسند تھیں۔قومی اتحاد نے مل کر ایک جنرل سے مارشل لاء لگوا دیا۔اور وہ بھی مرد مومن بننے کے چکر میں قادر مطلق بن بیٹھا۔اس نے قائد عوام کو پھانسی کے پھندے پر لٹکایا۔اور خود جہاد افغانستان کا مجاہد بن کر عالمی لیول پر اسلامی ملکوں کی نوجوان نسل کو جنت دلوانے کی خاطر روس کے خلاف جنگ میں جھونک دیا۔لالچ اور طمع نے اس کی آنکھیں بند کر دی تھیں۔پیپلز پارٹی کے کارکنوں کا جینا دوبھر کر دیا۔عورتوں تک کو کوڑے مارے گئے اور اسلامی شریعت نافذ کرنے کی کوشش میں سستی شہرت حاصل کرنے کی خاطر ایک کلمہ گو فرقہ پر اسلام دشمن پابندیاں لگا دی گئیں خود کلمہ گوؤں کو مسلمان کہنے پر اور اپنی مسجد کو مسجد کہنے پر، آپس میں سلام کہنے پر تین سال قید سنا دی گئی۔اور مزید یہ کہ توہین رسالت کا مرتکب قرار دے کر سزائے موت یا عمر قید کی سزا رکھ دی گئی۔خدائے قہار نے اسے بھی جلد ہی عذاب النار میں ڈالا۔اور وہ نظارہ کل عالم نے دیکھا۔بعد ازاں جمہوریت نے پر پُرزے نکالے جو کہ فوج اور بیرو کریسی کو راس نہ آئے۔فوج کہتی تھی کہ وہ اصل حاکم ہے۔اور جمہوریت کہتی کہ میں۔بیوروکریسی دونوں سے آگے تھی۔میرے ہم وطنوں نے خوب غیر انسانی حرکات کر کے انسانیت کی دھجیاں اُڑائیں۔اور ان کی خوب جگ ہنسائی ہوئی۔

میرے سیاسی اور مذہبی راہنماؤں میں سے ایک بھی قائد اعظم کے کردار کے مطابق نہیں۔کوئی بنیے کو سلام کر رہا ہے۔کوئی انکل سام کو۔کوئی اپنی انانیت کا شکار ہے کوئی عقل کل بن بیٹھا ہے۔اقبال کا شاہین تو کوئی نہ بن سکا مگر کوّوں کی صفات میں سب مشترک وعیاں ہیں۔اگر ایک قائد اعظم میری قوم کو خدا تعالیٰ اور دے دیتا تو آج امریکہ اور یورپ کے لوگ میرے پاس نوکریوں کے لئے آتے۔ہاں یہ کیسے ممکن تھا۔میرے علماء واساتذہ مایوسی اور انگریز کی غلامی کا شکار رہے تھے۔انہوں نے وہی درس قوم کے جوانوں کو دیا۔بد اخلاقی، چوری چکاری، کسی کا حق غصب کرنا، ظلم کرنا، کذب وافتراء سے دولت اکھٹی کرنے کے راستے بتائے۔جو لیڈر بڑا فراڈ کرے وہ سب سے زیادہ عزت دار گردانا جاتا ہے۔جو ناجائز طریقے سے دولت کے انبار جمع کرے وہ بہتر شہری، معزز مسلمان گردانا جاتا ہے۔جو عالم بے عمل واعظ کرتے ہوئے منہ سے جھاگ نکالتے ہوئے اپنے مخالف کو ناجائز لتاڑے اور بے ہودہ فتوے دے وہ قابل آفرین ہے نا کہ قابل نفرت۔جو اہل کار سب سے زیادہ رشوت لے وہ معزز کہلاتا ہے۔جو جج زیادہ بے انصافی کرے وہ بہتر منصف کہلاتا ہو اور جلد ہی بڑے کورٹ کا جج بن جاتا ہے۔جو گاؤں کا چودھری زیادہ ظالم اور زانی ہو وہ معزز کہلاتا ہے۔جو تھانیدار ہر شب کو رنگین بنائے وہ معزز کہلاتا ہے۔جو جاگیردار اپنی جیل رکھتا ہو اور لاکھوں لوگوں کا ان داتا ہو اور تھانے کچہری میں اس کی سفارش چلتی ہو وہ معزز ہے۔یہاں اسلام کا مفہوم ہی بدلا ہوا ہے۔اسلام عمل کرنے کے لئے نہیں ستعمال کرنے کے لئے ہے۔مطلب براری کے لئے ہے۔اسی لئے تو یہ ملک کوئی اور قائد اعظم پیدا نہ سکا۔کیونکہ پونجا جناح اور مٹھی بائی کردار کے لوگ اب اس معاشرے میں نہیں ہیں۔اگر ہیں بھی تو مطلب برار، بدقماش، چھچھورے، ابن الوقت، کذب بیان لوگوں کے نیچے دب گئے ہیں۔میرے خلاف مسلسل سازشوں کے جال بُنے جاتے رہے۔میری جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کو پامال کیا جاتا رہا۔میں پڑوسیوں کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکتا رہا۔خدا تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اب تک اپنے نام کے ساتھ زندہ ہوں۔میرے شیر دل میرے جاں نثار میرے نام پر جاں نثار ہوتے

رہے۔ان شہیدوں کے خون سے میری صبح آزادی کی کرنیں پھوٹیں۔برسوں کی جدوجہد کے بعد میرا وجود عمل میں آیا۔پھر آمریت،وڈیرہ شاہی ،جاگیرداری، دہشت گردی،ملائیت،لُولی لنگڑی سیاست،مذہبی،لسانی،گروہی سیاست،افراتفری، ہارسٹریڈنگ،فلورکراسنگ،ہڑتال،تالہ بندی،لانگ مارچ،ٹرین مارچ اورگھیراؤ جلاؤ کے دور بھی دیکھے۔جنہوں نے میری ساکھ خراب کردی۔بلکہ شکل بگاڑ دی۔ان کھوٹے سکوں نے اپنی من مانی کر کے مجھے کہیں کا نہ چھوڑا۔یہ تو اسی طرح ہوا جیسے نادان بچوں کے ہاتھ میں قینچی دے دی جائے۔

وہ لوگ دیتے ہیں درس بیداری
جن کے اپنے ضمیر سوئے ہوئے ہیں

اب میں پھر تاریخ کے ایک نازک موڑ پر کھڑا ہوں۔میرا مستقبل خطرے میں ہے۔مجھے میرے اپنوں نے لہولہان کردیا ہے اپنوں نے نفرتوں کی کھیتیاں کاشت کر کے میرا پیٹ بارودخانوں سے بھر دیا ہے۔فرقہ پرستی،کنبہ پروری اورنفسانفسی کا عالم ہے ہرکسی نے ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا رکھی ہے۔بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ہر چیز ہرقسم کی ملاوٹ سے اپنی اصلیت کھو بیٹھی ہے۔دین ودنیا کے ساتھ ساتھ ہر رشتہ، خون،نسل،ایمان، جنت ، دوزخ،خدا، رسول،قبلہ وکعبہ اورقرآن تک اس ملاوٹ سے محفوظ نہیں رہے۔ووٹ فروشی،وزارت فروشی،جسم فروشی ، بردہ فروشی،ضمیرفروشی اورجنت فروشی،عزتفروشی،اولادفروشی،دین فروشی،وطن فروشی نے میرے جسم پرقبضہ جمایا ہوا ہے۔ مجھے خودغرض،انا پرست اورکلبی عادات والے لوگوں نے اغوا کرلیا ہے۔میرے بیٹو! میری حفاظت کرو۔اس خطے کوامن وامان کا گہوارہ بناؤ۔محبت، پیار، خلوص،اخوت دوستی اور بھائی چارے کی کھیتیاں کاشت کرونفرتیں،عداوتیں،فاصلے، دُوریاں اوررنجشیں دورکردو۔کشمیر میرا اٹوٹ انگ ہے۔مجھے کشمیر چاہیئے مجھے خوشحالی، استحکام،خود کفالت، روشن مستقبل،تعلیم،بہتر خوراک،پُر امن ماحول،بہتر ذرائع آمدن،اچھی شہرت اورمکمل تحفظ کی ضرورت ہے۔ہاں اس میں کوئی شک نہیں قائد اعظم نے یہ ملک اسلام اورمسلمانوں کے لئے بنایا ہے۔جبکہ سب اسلامی جماعتیں اس کے بنانے کے خلاف تھیں اورکانگرس کی حامی تھیں۔اب ۶۵ سالوں میں اس نے کون سا نظام دیا ہے۔جب آپ کے عمل اسلام سے دور ہوجائیں تو ایسا ہی ہونا تھا۔اسلام کا نظام بہت عظیم ہے۔مگرآپ کون سا اسلام نافذ کریں گے۔یزید کا اسلام کہ امام حسینؓ کا اسلام۔طالبان کا اسلام،مودودی،وہابی،دیوبندی،بریلوی،رائے ونڈی برانڈ کے اسلاموں نے اس ۶۵ سال میں میرا منہ کالا کردیا ہے۔الٹا کشکول گدائی نے میرا امیج تباہ کردیا ہے۔مسلمان تو دور کی بات ہے آپ انسان تو بنو۔آپ کے علماء سوبے عمل،زرپرست، زن پرست، شہوت پرست ،فرقہ پرست،مردہ پرست، انا پرست،تخریب پرست،شاہ پرست اورمطلب پرست ہوکر رہ گئے ہیں۔حضرت علامہ محمد اقبال حکیم الامت پاکستان کا خواب دیکھنے والے نے اپنی قوم کی کیا تصویر پیش کی تھی جبکہ آج اس وقت سے اب حالت قوم بدترین ہے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ، تو تمدن میں یہود
یہ مسلماں ہیں! جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود
یوں تو سید بھی ہو، مرزا بھی ہو، افغان بھی ہو
تم سبھی کچھ ہو، بتاؤ تو مسلمان بھی ہو
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں
قلب میں سوز نہیں روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

۲۰۱۱ء کا حج اسکینڈل ہی کافی ثبوت ہے۔ان متشدد طاقتوں نے عوام کوروٹی ،کپڑا،مکان،تعلیم صحت روزگار دینے کی بجائے ایٹم بم دیا۔اورجس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔کیا ان کے دشمن نہیں ہیں کیا ایٹم بم کے بغیر دنیا کے باقی ممالک باعزت زندگی نہیں بسر کررہے۔وہ زمانہ گیا جب طاقتور ملک کمزور ملک پر قبضہ کرسکتے تھے۔میری قوم نے ہرشہر کے چوراہوں پر جنگی جہاز اور میزائل رکھ کر اپنے جنگی جنون کا توثبوت دیا ہے۔مگر اسلامی اقدار اور نامور نوبل لاریٹ یا اپنے علمی سائنسی کارنامے کرنے والوں کا کوئی نام نہیں،کوئی مجسمہ نہیں کوئی داخل نصاب نہیں،نعرے ہم ہروقت اسلام کے مارتے ہیں اورنقل ہم مغرب کی کررہے ہیں۔کیا ہی ایک شاعر جناب امیر الاسلام ہاشمی نے صدق دل سے آج کے پاکستانی مومن کی نقشہ کشی کی ہے۔

اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں
مکاری و عیاری و غداری و ہیجان
اب بنتا ہے ان چار عناصر سے مسلمان
قاری اسے کہنا تو بڑی بات ہے یارو!
اس نے تو کبھی کھول کے دیکھا نہیں قرآن
کردار کا گفتار کا اعمال کا مومن
سرحد کا ہے مومن کوئی بنگال کا مومن
ڈھونڈے سے بھی ملتا نہیں قرآن کا مومن
بیباکی و حق گوئی سے گھبراتا ہے مومن
مکاری و روباہی پہ اتراتا ہے مومن
جس رزق سے پرواز میں کوتاہی کا ڈر ہو
وہ رزق بڑے شوق سے کھاتا ہے مومن
اقبال تیرے دیس کا کیا حال سناؤں

بلکہ ہماری موجودہ نسل اب اپنے اکابرین پر تنقیدی اور طنزیہ تبصرے کرتی ہے:۔
قومی دولت اور املاک کو غصب کرنا قوم کا فیشن بن گیا ہے۔ٹیکس نہ دینا معزز ہتھکنڈہ ہے۔بیوروکریسی سے مل کر بڑے بڑے قرضے معاف کروانا ہر سیاسی لیڈر کی عادت ثانیہ بن گئی ہے۔سب اداروں کو کرپشن کے عفریت نے ہڑپ کر لیا ہے۔ قانون بے بس ہے۔ظلم کی حکمرانی ہے۔کسی بھی محکمہ کا الٹرا ساؤنڈ کر لیں کوئی مثبت خبر نہیں ملے گی۔کیا یہ سب کچھ فرشتے بگاڑ گئے ہیں اور پھر قانون حرکت میں نہیں آرہا۔کیونکہ اس کار خیر میں سب بڑے بڑے مسلمان لوگ اور جبہ پوش بھی ہی ملوث رہے ہیں۔اے میری قوم کے سپوتو! سوچو! افیمی چین میرے ایک سال بعد آزاد ہوا ہے۔آج وہ کہاں کھڑا ہے۔تم اسلام کے عظیم نظام کو رکھتے ہوئے بھی ایک ناکام ریاست کا روپ دھار چکے ہو۔اور آپ کی سب حرکتیں اسلام سے متضاد ہیں۔مسلمان ہو کر اپنے گھر میں (لالچ اور طمع کی خاطر کبھی سعودیہ سے کبھی امریکہ اور کبھی برطانیہ سے) ڈکٹیشن لیتے ہو۔تم احساس کمتری کا شکار ہو یا تم فقیر ہو اس رویہ نے تمہارا بیڑا غرق کر دیا ہے۔تم آدھا تیتر آدھا بٹیر ہو۔

نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

میں اپنے پر نظر ڈالتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے۔میرے بزرگوں نے جو خواب دیکھے تھے وہ نامکمل ہیں۔میں (پاکستان) بالکل ان کے برعکس ہوں۔میں سوچتا ہوں۔کہ میری بنیاد تو اسلام پر تھی۔میری بنیادوں میں شہیدوں کا لہو شامل ہے۔مجھے تو ایسا ملک ہونا چاہیئے تھا جو امن کا گہوارہ ہوتا۔مجھے پوری دنیا کے لئے رول ماڈل ہونا چاہیئے تھا۔میں آپ کو یہی پیغام دوں گا کہ مجھے رول ماڈل بنائیں پوری دنیا کے لئے۔میری حفاظت کریں کیونکہ میرے دم سے آپ ہیں۔مجھ سے محبت کریں۔کیونکہ اپنے وطن سے محبت کرنا ایک عبادت ہے۔لہٰذا میری خدمت عبادت سمجھ کر کریں۔تو آپ کے ملک یعنی میرا شمار دنیا کے امیر ترین ممالک میں ہو سکتا ہے۔مجھے ترقی کی راہ پر گامزن کرنے کے لئے اپنا کردار ادا کریں۔یہاں رشوت،سفارش،اقرباء پروری،بے انصافی،بیروزگاری،ناخواندگی،غربت،بھوک،افلاس،عریانی اور بے راہروی نہیں چاہیئے قائداعظم کے افکار کو یاد کرو۔۱۱/اگست ۱۹۴۷ء کی تقریر کو اپنا منشور بنا لو۔اس ملک کے رہبر بنو،لیڈر بنو،مفکر بنو،ڈاکٹر عبدالسلام بنو،میں پاکستان ہوں۔میرا ایک قومی تشخص ہے اور اس تشخص کو قائم رکھنا آپ سب کی خصوصاً نوجوان نسل کی اہم ذمہ داری ہے۔ورنہ تمہاری داستاں بھی نہ ہوگی داستانوں میں۔

ایک مسجد

ایک مسجد کے دروازے پر کیا خوبصورت جملہ لکھا تھا!!اللہ کے پاس آپ کو دینے کے لئے سب کچھ ہے۔کیا آپ کے پاس مانگنے کے لئے کچھ وقت ہے؟۔

قندیل شعروسخن کے زیر اہتمام ساجد محمود رانا کے ساتھ ایک شام

رپورٹ: رانا عبدالرزاق خان

لندن ساؤتھ ویسٹ کے علاقے میں نوجوان نسل کے مشہور اُبھرتے ہوئے شاعر جناب رانا ساجد محمود کے اعزاز میں ۲۱ فروری بروز اتوار کو تقریب قندیل شعروسخن کے زیر اہتمام منعقد کی گئی۔صدارت جناب مشہور گیت کار سوہن راہی نے کی۔مہمانِ خصوصی نامور شاعرہ عذرا نازتھیں۔اس کے علاوہ برطانیہ کے مشہور شعرائے کرام میں سے جناب مبارک صدیقی،اقبال مجیدی،عتی جاذل،نورالجمیل نجمی،عاصی صحرائی، قدیر کوکب،مطیع الرحمن اسد نے بھی شرکت کی۔رانا عبدالرزاق نے نظامت کے فرائض بڑی خوش اسلوبی سے نبھائے۔اپنا کلام سنانے کے بعد انہوں نے باری باری سب کو کلام پیش کرنے کے لئے بلایا۔رانا ساجد محمود کے کلام سے چند مشہور اشعار

یوں ہی نہیں میرے لشکر میں پھوٹ پڑی ہے
معلوم ہے کچھ دوست ہی غدار ہوئے ہیں
مجھ کو پتوار پہ، ناؤ پہ، بھروسہ ہے مگر
میں اُدھر جاؤں گا جدھر اور بھنور جائے گا
سُرخ سورج کو یہ معلوم کہاں تھا ساجدؔ
ان اندھیروں کو نگلتے ہوئے مر جائے گا
راستوں کو خبر نہیں کرتا
اب میں تنہا سفر نہیں کرتا
درد ایسے عطا ہوئے ساجدؔ
کوئی مرہم اثر نہیں کرتا
ان ہواؤں کا دوش کچھ بھی نہیں
پھول تھا سو بکھر گیا ہوں میں
اس سے پہلے خلوص مرجائے
اب مجھے بے وفا تو ہونے دو
وحشت دل عطا تو ہونے دو
یہ محبت سزا تو ہونے دو

سب سامعین نے نوجوان شاعر ساجد رانا کے کلام کو بہت سراہا۔ان کے کلام کو دنیائے ادب میں ایک گراں قدر اضافہ قرار دیا۔برمنگھم سے تشریف لانے والے نوجوان اطیب جاذل کی شاعری نے تو سامعین کے دلوں کے تاروں کو چھیڑ دیا۔ہر طرف سے واہ واہ کی صدائیں آرہی تھیں،اُن کے دو شعر پیش خدمت ہیں:

نت نئے خواب دکھاتی ہی چلی جاتی ہے
یاد تیری ہے کہ آتی ہی چلی جاتی ہے

وقت کے ہاتھ میں آئی مری سوچوں کی قلم
مجھ سے کچھ زخم لکھاتی ہی چلی جاتی ہے

پھر جب نورالجمیل نجمی کی باری آئی تو اُن کی شاعری نے ایک سماں باندھ دیا، ہر طرف سے مکرّر مکرّر کی آوازوں نے اُن کو خوش آمدید کہا۔ نجمی کے چند شعر ملاحظہ ہوں:

مجھ پہ کوئی دعا ہے مرے یار آجکل
اک میں ہوں اک خدا ہے مرے یار آجکل
لہجہ نیا نیا ترا باتیں بھلی بھلی
تو کس سے مل رہا ہے مرے یار آجکل
انسانیت کے نام پر انسانیت کا خون
اک کھیل بن گیا ہے مرے یار آجکل

عذرا ناز جو کہ صاحب دیوان شاعرہ ہیں۔ ریڈنگ سے تشریف لائیں تھیں۔ انکی شاعری نے تو محفل میں رنگ بھر دیا۔ ان کے پنجابی کلام کو بھی بہت سراہا گیا۔

ایک دوجے سے نجانے لوگ کیوں کٹنے لگے
دل تو پہلے بٹ چکے تھے، گھر بھی اب بٹنے لگے
کچھ بدلنا چاہیئے اب تو نصابِ زندگی
لوگ کیوں پھر بھولے ہوئے اسباق پھر رٹنے لگے

اقبال مجیدی جو انٹرنیشنل مشاعروں کی جان ہوا کرتے تھے، انہوں نے بھی بہت ہی دلکش کلام پیش کیا، مبارک صدیقی بھی ہمارے لندن کی مشہور ادبی شخصیت ہیں۔ مزاحیہ کلام کے علاوہ ان کا سنجیدہ کلام بھی کیا ہی خوبصورت ہے۔ سامعین ان کے کلام سے بہت معذوذ ہوئے۔ اُن کے چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

کبھی مرے چمن میں تھی کبھی مرے وطن میں تھی
یہ ڈھونڈتے جو پھر رہے ہیں سب اماں ادھر اُدھر
میں چشم نم، فگار پا، شکستہ دل، دریدہ تن
کھڑا ہوں کہ خواب ہیں دھواں دھواں اِدھر اُدھر

سوہن راہی نے بھی اپنے سُر کا جادو جگایا تو ہال گونج اُٹھا۔ ہر طرف اے واہ واہ کے ڈونگرے برسنے لگے۔ محفل زعفران زار بن گئی۔ ہر کوئی ان کی شاعری پر شاداں و فرحاں تھا۔ آخر پر سب کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا۔ رات بھیگنے لگی تھی۔ سب نے دوبارہ ملنے کے وعدے پر مجلس برخاست کی۔ ❁

روشن خیالی اور انتہا پسندی

اے آر راجپوت

انتہا پسندوں نے میرے مادرِ وطن کو گھیرے میں لے لیا ہے۔ مذہب کا لبادہ اوڑھ کر کم فہم لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ پہلے قیام پاکستان کے وقت کچھ لوگ اس پاک وطن کی تعمیر کے خلاف تھے اب اس کی ترقی کے خلاف ہیں۔ خود اختراعی گروہوں نے عام شہری کو دماغی طور پر اغوا کر لیا ہے۔ اپنے اپنے مکاتب فکر کو پروموٹ کرنے کے لئے ناجائز ذرائع سے دولت کا حصول پا کر ان ملک دُشمن نرسریوں کو خوب پروان چڑھایا گیا ہے۔ اب ہر قسم کی عسکری مدد یہ فراہم کرتے ہیں۔ ہر قسم کے اسلحہ کی ناجائز خرید و فروخت پر ان کی اجارہ داری ہے۔ بڑے بڑے اداروں میں یہ انتہا پسند گھس بیٹھے ہیں۔ بعض غیر ممالک کے منصوبوں پر عملدرآمد کے لئے یہ رقوم حاصل کر کے اُن مزموم عزائم کو پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں۔ مدرسوں سمیت ان کی پہنچ ہر محکمے تک ہے۔ ہر دیانت دار افسر کے گرد یہ لوگ گھیرا تنگ کرتے ہیں۔ اگر کسی طرح بھی وہ قابو نہ آئے تو اغوا اور قتل اس کا آخری علاج ہے۔ ہر دو نمبر کام والا، ملاوٹ والا، مردہ گوشت فروخت والا، پیری مریدی اور تعویذ گنڈا دینے والا، ڈبل شاہ جیسے کردار سب ان سے رابطے میں ہیں۔ ہر سیاسی مہرے تک ان کی رسائی ہوتی ہے۔ احتجاج یا ہڑتال کا بزنس بھی یہ رقم لے کر کرواتے ہیں۔ ہر محلے میں ان کا ایک نمائندہ ہوتا ہے اور پھر یونین کونسل سے ڈسٹرکٹ کونسل تک ان کے نمائندے ہوتے ہیں۔ ان منافق، دُشمن عناصر، یا سرکاری مسلم اور عام سادہ شہری میں یہ واضح فرق ہے۔

ہم روشن خیال شہداء کی عظمت کو سلام کرنے والے ہیں۔ یہ انتہا پسند لوگوں کے گھر جلا کر ظالموں کو شہید کہتے ہیں۔ ہم فوج پر جان نچھاور کرتے ہیں اور یہ اس کے شہداء کو شہید کہنے کو تیار نہیں۔ بڑے بڑے جبہ پوش، اُن کی تائید میں چُپ ہیں شاید یہ مصلحت ہے یا بزدلی۔ ہم سڑکوں کے کنارے کھڑے ہو کر احتجاج کرتے ہیں اور یہ سڑکوں پر ڈنڈے اُٹھا کر اور ٹریفک جام کر کے احتجاج کرتے ہیں۔ ہم خواتین کو باعزت احتجاج کا حق دیتے ہیں اور یہ خواتین کو گالیاں اور دھمکیاں دیتے ہیں۔ ہم نماز پڑھتے ہیں اور یہ بارُود باندھ کر مساجد میں نمازیوں کو مار کر خود شہید کہلانے پر بضد ہیں۔ ہم جن آنکھوں سے ظلم کے خلاف روتے ہیں اُن کو قادری جیسے قاتل کے لئے بھگو نہیں سکتے۔ ہم نے جن کندھوں پر پشاور کے شہید بچوں کے جنازے اُٹھائے ہیں۔

اب اُن کندھوں پر ممتاز قادری کی مصلوب میت نہیں اُٹھا سکتے۔ اگر ایسا کرنا بغاوت ہے تو بلاشک ہم باغی ہیں۔ ۷۰ سال کے بعد اگر عدالت نے انصاف کیا ہے تو ہم ان ججوں کو سلام پیش کرتے ہیں۔ مگر اب بھی کئی کم فہم کالے کوٹوں والے ممتاز قادری

کے جلوس میں شامل ہیں۔اُسے مصلوب ہونے کے بعد بھی شہید اور نجات دہندہ کہتے ہیں۔اب یہ جہالت کا زہر میرے مادر وطن کے سارے جسم میں سرایت کر چکا ہے ،انسان کو باخدا انسان بنانے میں یہ مدرسے،مساجد اور علمائے سُو بُری طرح ناکام ہو چکے ہیں۔ان اداروں کا اگر پوسٹ مارٹم کیا گیا تو ان میں سے تو مادّیت پرستی ،جنس پرستی ،شہوت پرستی ،فرقہ پرستی کی بُو آئے گی۔کاش ساری قوم بھی اپنے ماحول کا جائزہ لے۔اور سچ بولنا ،سچ سکھانا ،پورا تولنا ،سب کے حقوق کا خیال رکھنا سکھا دے تو شاید میرے مادر وطن میں پھر سے امن و آشتی آجائے۔ورنہ ۷۰ سال بعد تو صحت مند انسان بھی مرجاتا ہے اور یہ تو اب مرد بیمار کی طرح ہانپ رہا ہے۔ابھی تک اس کی مرض کی تشخیص نہیں ہوسکی۔اگر بیرونی ڈاکٹر سے مرض کی تشخیص کروائی گئی تو پھر وہ اپنی دوائیوں کو فروخت کے لالچ کی خاطر مرض کی تشخیص غلط کرے گا جیسا کہ پہلے بھی ایسا ہی ہوتا آیا ہے۔اس کے علاج کے لئے کسی ایک مردِ خدا کی ضرورت ہے۔ جو اسی پاک دھرتی سے خدا تعالیٰ پیدا کرے۔خدا کرے کہ مرے پاک وطن کے ایک اور قائداعظم مل جائے۔آمین۔

پاکستان کے آٹھ سحر انگیز قلعے

بلال افتخار

پاکستان قدرتی حسن سے مالا مال ملک ہے اور اگر آپ کے ذہن میں صرف بلند و بالا گلیشیر اور ہرے بھرے علاقوں کے مناظر محفوظ ہیں تو پھر شاید آپ یہاں موجود دلکش فن تعمیر سے مزین تاریخی عمارتوں سے لاعلم ہیں۔

۱۔خپلو قلعہ نے ہمیں سب سے زیادہ متاثر کیا۔گلگت بلتستان میں واقع یہ یہ قیمتی قلعہ سیاحوں کے لئے بڑی دلکشی کا باعث ہے۔

۲۔مخصوص بناوٹ کی وجہ سے رام کوٹ کا قلعہ خطہ کشمیر کے اہم قلعوں میں ممتاز مقام رکھتا ہے۔

3۔وادی ہنزہ میں موجو بلت قلعہ کی تاریخ 700 سال پرانی ہے۔

۴۔عظیم الشان قلعہ مغل دور کی شان وشوکت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

۵۔صحرائے چولستان کے قلب میں کھڑا اوڑ قلعہ بہاولپور کا طرہ امتیاز ہے۔

۶۔راولپنڈی کا روات قلعے کو گھکڑوں نے سولہویں صدی میں تعمیر کیا تھا۔

۷۔جہلم شہر کے قریب روہتاس وقلعہ کو تعمیر کرنے میں آٹھ سال لگے۔اس قلعے کے 12 مختلف دروازے ہیں۔

۸۔گلگت بلتستان کی سب بڑی تاریخی یادگار شکار ٹاور کے نام سے مشہور التیت تقریباً 1100 سال پرانا ہے۔ (روزنامہ یوکے ٹائمز لندن 12 فروری 2016ء)

مردم شماری سے مذاق

مرسلہ: اے آر راجپوت

انگریز کے زمانے میں انڈیا کی پہلی مردم شماری برما سے بنگال تک اور لاہور سے پیر پنجال تک بلکہ بمبئی سے طورخم تک 1871ء میں شروع ہوئی۔پاکستان میں پہلی مردم شماری 1951ء میں دوسری 1961ء میں تیسری مشکل حالات بلکہ جنگ کے باوجود 1972 میں چوتھی مردم شماری 1981 میں مکمل ہوئی۔پھر مسلم لیگ ن کے دورِ اقتدار شروع ہوا۔مردم شماری کی اہمیت غفلت کا شکار رہی۔1998ء میں فوجی آمر کو اس کا خیال آ گیا تھا مگر پھر جمہوری حکومتوں نے اب تک اس طرف توجہ نہ دی۔جس طرح کہ باقی امور اور محکموں سے روّیہ ہے۔1973ء کے آئین کی رُو سے مردم شماری اہم تقاضا ہی نہیں بلکہ حکومت کی قانونی ذمہ داری ہے جس کے لئے دو حوالے دیکھنا کافی ہوگا۔

NO.1

[Population census 4th schedule part2 item No9 of the consititution,1973]

ترجمہ۔آبادی کی مردم شماری کا چوتھا جدول حصہ 2 اور آئٹم نمبر 19739 کے آئین میں درج ہے۔

No 2 [General statistics[Reorganization Act 2011,section 31]

ترجمہ۔عمومی اعداد وشمار تنظیم نو ایکٹ 2011ء دفع نمبر 31۔

اب 2011ء لیگ کی حکومت نے اس کا انعقاد ہر دس سال کے بعد لازمی نہیں رہا اب یہ بھی حکمرانوں کے سیاسی مقاصد کے لئے ہتھکنڈے کا کام دینے لگے گی۔

1998ء سے اب تک یہ کام غفلت کا شکار رہا۔جو کہ پیپلز پارٹی کے دورِ حکومت کی غفلت ہے۔مردم شماری کا ذمہ دار ادارہ شماریات پاکستان ہے۔یہ جمہوری حکومتوں کے لیڈر اور بیوروکریٹس قومی مقاصد کو سیاسی رنگ دے کر مخصوص گروہ یا اداروں کو بلیک میل کرتے ہیں۔مردم شماری بھی اس کی ایک مثال ہے۔70 سال تک فاٹا کو قومی دھارے سے باہر رکھنا دوسری مثال ہے۔آپ یہ سُن کر حیران ہونگے کہ قومی بجٹ میں مردم شماری کے لئے 14 ارب روپے کی خطیر رقم رکھی گئی تھی ،جس میں سے کافی رقم ریلیز ہوکر خرچ بھی ہوگئی ہے۔لیکن وہ کس کی جیب میں گئی ،لگتا ہے اس مردم کو پسِ پُشت ڈالنے والوں کے کام آ گئی۔بقول بابر اعوان وزیر اعظم کے سمدھی اسحاق ڈار ہی گول کر گئے ہیں۔بقول کنور دلشاد کے۔آج تک مردم شماری کے کوائف کو احکام نے اپنی مصلحتوں کے پیشِ نظر اپنی مرضی کی تبدیلیاں کیں۔اور اب تک ایسا ہوتا آیا ہے۔مگر اب تو اس کی تکمیل سے گریز کی راہ اختیار کی جارہی ہے۔مردم شماری میں اقلیتوں کی تعداد جان بوجھ کر کم دکھائی جاتی ہے۔

بعض بیوروکریٹ کسی سوچی سمجھی سکیم کے تحت یا خدمت دین کی خاطر سارے پاکستان میں احمدیوں کی آبادی کو 90 فیصد کم دکھاتے ہیں جبکہ زمینی حقائق اور ہیں۔الیکشن کے لئے ہر ایم این اے اور ایم پی اے اس میں مداخلت کرتے ہیں اور

اپنے حلقہء انتخاب میں اپنی من مرضی سے مردم شماری کو تبدیل کر کے اپنے مطلوبہ مقاصد حاصل کرتے ہیں ۔مظلوم ساؤتھ صوبہ پنجاب میں بھی مردم شماری میں گھپلے ہوئے ہیں ۔ جہاں جس قوم یا زبان کی کمی دکھانا مقصود ہوتو احکام بالا اسی طرح کرتے ہیں ۔ بلوچستان میں بھی دُرست مردم شماری نہیں دکھائی جاتی ۔کراچی میں بھی اُردو بولنے والوں کو کم دکھایا جاتا ہے ۔وہاں زبانوں کے لحاظ سے ردّوبدل کیا جاتا ہے ۔ ہمارے ملک میں ہر محکمے کے مدارالمہام اپنے محکمے کو گھر کی لونڈی سمجھ کر اس میں اپنی من مانیاں کرتے ہیں اور وہ کسی کے سامنے جواب دہ بھی نہیں ۔اگر جواب دہ بھی ہوں تو کرپشن کے ذریعہ اُن مقتدر طاقتوں کو رام کرلیا جاتا ہے ۔ہمارے ہاں جزا سزا کا نظام بھی نہیں ۔کرپشن نے ہمارے روّیے یکسر تبدیل کر دیئے ہیں ۔مردم شماری بھی اسی روّیے کا شکار رہی ہے ۔حالانکہ مردم شماری کسی بھی ملک کی ترقی اور منصوبہ بندی کے لئے بنیاد کا کام دیتی ہے، مستقبل کے ترقیاتی منصوبوں کو بنیادی اعداد و شمار مہیا کرتی ہے جس منصوبہ بندی کا آغاز ہی جھوٹے اور ناقص اعداد و شمار پر ہو اس کی تعمیر کیسے پایہ تکمیل تک پہنچ سکتی ہے ۔ہمارے جعلی کردار نے اسی لئے 70 سال میں مادر وطن کی شکل بگاڑ کر رکھ دی ہے ۔خدا اس قوم کو جعلسازی سے نکال کر صراط مستقیم پر ڈالے، آمین ۔

احتساب

اے ۔آر ۔رانا

ہمارے ملک میں یہ نعرہ بہت ہی مقبول رہا ہے ۔’’قوم کو حساب دو خون کا حساب دو‘‘ جب بھی کوئی سابقہ حکومت کو پچھاڑ کر یا لتاڑ کر تخت طاؤس پر براجمان ہوتا ہے تو اس کی زبان پر احتساب کا نعرہ ضرور ہوتا ہے ۔مادرِ وطن کے قیام کے وقت جن سیاسی اور دینی پارٹیوں نے اس کی پُر زور مخالفت کر کے ہندو کا ساتھ دیا تھا اُن کا بھی احتساب آج تک نہ ہوسکا، لیاقت علی خان کے قاتلوں کا بھی حساب نہ لیا گیا ۔

پھر 1953 کا مارشل لاء لگوانے والے دولتانہ کا بھی احتساب نہ ہوسکا اور شکست خوردہ علمائے سُو نے یہ جو ڈرامہ رچایا تھا ان کو بھی آج تک کسی نے نہ پوچھا، ایوب خان سے لے کر آج تک یہ نعرہ بھی عام لگا اور آج تک کسی بڑے کا احتساب بھی نہ ہو سکا ۔ہر کسی نے اپنے اپنے مفادات کی جنگ لڑی اور انصاف اور عدل کا خون کیا ۔مفاد پرستوں نے ہر دور میں جنگ جیتی ۔معاہدہ تاشقند کا راز آج تک نہ کھل سکا، پھر بنگلہ دیش بنوانے والوں کا بھی آج تک احتساب نہ ہوسکا، حمود الرحمن کمیشن کی صدائے باز گشت میرے وطن کے سیاسی لیڈروں کے محلوں میں کھو گئی، 1965 اور 1971 کی جنگیں لڑ کر قوم کو مزید پچاس سال پیچھے دھکیلنے والوں کا احتساب کون کر سکا، نو ستاروں نے ایک ملٹری ڈکٹیٹر سے مل کر بھٹو کا نام نہاد احتساب کیا یا عدالتی قتل، یہ بھی علمائے سُو کی کارستانی تھی، جو کہ ضیاع الحق کے اقتدار کو طول دینے کی چال تھی، سعودیہ اور امریکی اشیر باد سے جہادِ افغانستان کا ڈھونگ رچا کر بھوکے ننگے افغانیوں کو ایک سفاق اور ظالم انسان بنانے میں اسی گروہ کا ہاتھ ہے، فوج کی منصوبہ بندی سے جا بجا اسلحہ فیکٹریاں بنا کر پشتون قوم کو جدید اسلحہ بردار بنا کر ان کو خدائی فوجدار بنا کر پاک وطن کی طاقت کو زیر نگیں کرنے کی بھرپور کوشش کی گئی، اسلام کی ایسی تصویر پیش کی گئی کہ آج ساری دنیا انکے اسلام کے خلاف ہو چکی ہے، باقی ممالک کے مسائل کو خواہ مخواہ اپنے گلے کا ہار بنا کر مادر وطن کے عوام کی زندگی اجیرن کر دی گئی ۔مگر یہ سب مکاریاں ضیاع الحق کے اقتدار کو طول نہ دے سکیں، مگر خدا تعالیٰ ہی اصل محتسب ہے ۔

پھر ماشل لاء کی نرسری سے پودے نکل آئے ، اتفاق فونڈری کے کالے ظالم اندھیروں سے نکل کر قوم کو ایسا روشن کرنے آئے کہ آج تک قوم ان ہی کے رحم و کرم پر صحت و تعلیم ، بیروزگاری ، بھوک اور ننگ کی تاریکی میں مبتلا ہے، وہ تو سرے محل اور رائے ونڈ کے حصول میں کامیاب رہے مگر عوام بے محل بلکہ بے سروپا ہو گئے، احتساب کا نعرہ بدستور لگتا رہا، مگر کوئی بڑا نہ جیل میں گیا اور نہ پکڑا گیا، جب ایک خاندان غرباء کی آہوں سے آخر پکڑا گیا تو سیدھا سعودی عرب جا پناہ گزیں ٹھہرا ۔باقی بیرون ملک بدر ہو گئے، پھر ان چوروں اور ڈاکوؤں نے NRO کیا اور ملک کو لوٹنے کی خاطر آ نکلے ۔ بے نظیر تو قربانی دے گئی مگر باقی بکروں کی عید ہو گئی، جنہوں نے پانچ سال تک دن رات لوٹ مار کی اور چائنہ کٹنگ میں مصروف رہ کر اپنی جیبیں بھریں، میثاق جمہوریت تو تھا ہی، جس کے سائے میں دونوں نے مادرِ وطن کا گوشت نوچا، پہلے رینٹل پاور اور بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام کے تحت لوٹا گیا، اب میٹرو، اورنج ٹرین، سستی روٹی، آشیانہ، سبز انقلاب، دانش سکول، نہ جانے کیا کیا مہرے استعمال کئے گئے ۔مگر احتساب کسی کا نہ ہوسکا، نعرہ بدستور لگتا رہا، اب پھر احتساب کا نعرہ لگ چکا ہے، دیکھیئے اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے، محتسب بھی اسی مٹی سے ہے اور مادر وطن کو لوٹنے والے بھی ۔آج تک تو محتسب کی نہیں چلی ۔کیونکہ محتسب آج تک مردِ جری نہ بن سکا، مردِ جری بننے کے لئے ایمان کی ضرورت ہوتی ہے مگر ایمان تو ثریا ستارے پر پہنچ چکا ہے اس لئے بے فکر رہیئے کوئی احتساب نہ ہوگا ۔ اگر میرے اللہ نے چاہا تو کوئی جلوہ دکھا دے گا عنقریب، انشاءاللہ ۔اگر انسان، مومن، یا با خدا انسان کو خدا کے احتساب کا پاس ہو تو تب انسان انسانیت کی لاج رکھتا ہے ۔ورنہ...

(پاکستان کا مطلب کیا کھا پی تے جان بنا)۔

اقتصادی ایٹم بم کی ضرورت

ابن لطیف

جب پنڈت جواہر لال نہرو نے ڈاکٹر عبدالسلام کو ۱۹۵۹ء میں بذریعہ سفیر لندن انڈیا کے دورے کی دعوت دی۔ ڈاکٹر ہمایوں کبیر وزیر تعلیم کی موجودگی میں دلی میں من پسند تنخواہ کی ڈاکٹر عبدالسلام کو آفر کی، کہ آئیں ہمارے ملک میں کام کریں۔ تب انہیں پتہ چلا کہ انڈیا ایٹم بم بنانے کی تیاری کر رہا ہے۔ تو وہ سیدھے صدر ایوب خان کے پاس پہنچے۔ انکو ساری خبر کی۔ تو پھر ایوب خان کی اشیر باد سے sparco کی بنیاد رکھی۔ ڈاکٹر عبدالسلام سائنسی مشیر بنے اور 1974 تک اسی عہدے پر رہے اور خود مستعفی ہوئے۔ اس صورت حال کا بھٹو صاحب کو بھی علم تھا، ۱۹۷۱ء کے بعد اس میں تیزی آئی بھٹو صاحب نے ایٹم بم کے بارے میں ایک موثر بیان دے چکے تھے۔ کہ ہمیں درختوں کے پتے بھی کھانے پڑے تو ہم ایٹم بم بنائیں گے۔ (جو کہ اب تک ساری قوم کھا رہی ہے) یہ خفیہ طور پر کوششیں جاری رہیں۔ ۱۸ فروری ۱۹۷۴ میں پوکھران راجستان کے علاقے میں جب بھارت نے ایٹمی دھماکہ کیا تو پاکستان کی کوششیں مزید تیز تر ہوگئیں۔ پھر ڈاکٹر عبدالقدیر خان کی خدمات کو استعمال کیا گیا۔ اس کامیابی میں ان سب ہیروز کی مخلص حب الوطن ہونے کی سرتوڑ کوششوں کا دخل ہے۔ جو مذہبی یا سیاسی طور متنازعہ بھی رہے مگر اس وطن کے سر کو اونچا کرنے میں ان کی خدمات کو یاد رکھا جائے گا۔ ایوب خان، ڈاکٹر عبدالسلام، ذوالفقار علی بھٹو، ضیاع الحق، ڈاکٹر عبدالقدیر خان، اسحاق خان، اور فوج کے سربراہان، سائنسدانوں کی ٹیمز، اور باقی سب گم نام معاونوں کا اس میں حد درجہ تعاون شامل تھا۔ پھر پریسلر، سمنگٹن اور سولارز جیسی ظالمانہ امتیازی ترمیمات کا جبر بھی ساری قوم نے برداشت کیا۔ آخر میں نواز شریف کو بھی میں سلام پیش کرتا ہوں جس نے ہر قسم کے دباؤ کے باوجود جنرل مشرف کی قیادت میں ۱۹۹۸ میں ایٹمی دھماکہ کیا۔

اگر ہم نے ایٹم بم نہ بنایا ہوتا تو آج ہمارا حال عراق و شام جیسا ہوتا، اسرائیل کبھی بھی عراق پر حملے کی جرات نہ کرتا، انڈیا اور کئی اسلام دشمن ممالک ہم پر چڑھ دوڑتے جس طرح آج مسلم ممالک کی مٹی پلید کی جارہی ہے اس سے بھی بدتر ہمارے ساتھ سلوک ہوتا، اور یہ اسلامی ممالک جو کہ برادر بھی کہلاتے ہیں یہی ہماری تذلیل کے کرتا دھرتا ہوتے۔ جس طرح افغانستان نے پاکستان کو ابھی تک تسلیم نہیں کیا، مصر نے 1965 میں انڈیا کی مدد کی تھی، اور امریکی بحری بیڑہ کبھی بھی مشرقی پاکستان نہ پہنچ سکا، 1980 کی دہائی میں ہمیں سعودیہ نے مسکین و یتیم و بھکاری جان کر امریکہ کی پالیسی کے مطابق نام نہاد افغانستان میں جھونک دیا جس کے نتائج آج تک قوم بھگت رہی ہے۔ جس نے ساری قوم کو خون کے دریا میں غرق کر دیا، یہاں بڑے بڑے ابن الوقت دانشوروں نے اپنے اپنے مفادات کی جنگ جیتی مگر مادر وطن کی اقتصادی جنگ ہار گئے۔ علمائے سُو کو مدار المہام بنا کر وطن پاک کو دوزخ بنا ڈالا، ملک جگ ہنسائی کا مورد ٹھہرا، فوجی قیادت نے بھی غلط فیصلے کئے، کیونکہ یہ سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہیں، اتنے مومن ہیں کہ اپنے ہی بھائی کی ٹانگ کھینچتے ہیں۔ ایٹم بم کے بعد چاہیئے تھا کہ ملک کو اقتصادی طور پر مضبوط بناتے، ڈیم بناتے، ایکسپورٹ بڑھاتے، بیرون ممالک سے سرمایہ کاری ملک میں لاتے اور عام شہری کا معیار بلند کرتے، ہمارے سیاسی لیڈر حضرات کو تو شکم پری نے تباہ کر دیا ہے۔ یہ ساری دولت باہر لے جا رہے ہیں۔ قوم کو طالبان اور علمائے سُو نے نوجوانوں کو مدرسوں کے ذریعے خودکُش بمبار بنا کر جنت کے حصول کی خاطر گمراہ کر دیا ہے۔ دولت کی پوجا اس قدر بڑھ چکی ہے کہ اب ہر مجاہد RAW کا ایجنٹ بن رہا ہے۔ انڈیا جب چاہتا ہے پاکستان میں دھماکہ کروا دیتا ہے اور اس میں استعمال مسلمان ہوتا ہے۔

بلوچ BLF MQM، سب ہی RAW کے ایجنٹ ثابت ہو چکے ہیں۔ میرا مادر وطن کس کھڈے میں گرنے کو جا رہا ہے۔ کیا ارباب عقل و خرد سو رہے ہیں۔ کیا کوئی ہے جو اس ڈوبتی ناؤ کو بچائے اور کنارے لگائے۔ قوموں کو ایٹم بم سے نہیں بچایا جا سکتا۔ اس کے لئے جذبہ ایمانی کی ضرورت ہوتی ہے، کردار کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایمان، شرافت، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی پہچان کی ضرورت ہوتی ہے۔ قوم کے نوجوانوں کی جو تربیت خاص مدرسوں نے کر کے یہ جو چاند چڑھایا ہے، دنیا اُس پر ہنس رہی ہے۔ علمائے کرام اور عام پبلک ممتاز قادری، کی موت پر تقسیم نظر آئی ہے۔ طالبان کے اسلام کی تشریح پر تقسیم نظر آتی ہے۔ کوئی سیاسی لیڈر کوئی بھی اخلاقی اچھا کام کرے تو علمائے سُو اس کے نکاح ٹوٹنے کے فتاویٰ دیتے نظر آتے ہیں۔ اب قوم کو یک جہتی ایمان، تنظیم، اتحاد کی ضرورت ہے اور اقتصادی طور پر مضبوط ہونے کی ضرورت ہے۔ اب امامت اور قیادت علمائے سو کی بجائے کسی مردِ مومن یا مردِ مجاہد کے ہاتھ میں آنی چاہیئے۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین۔

بیوی کی بیماری کا فوری علاج

ایک ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ میری بیوی بیمار ہوگئی اور اس نے مجھے دم کرنے کو کہا میں نے اُس پر قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیت پڑھ کر پھونکیں مارنی شروع کر دیں۔

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ

(پس تم اپنی پسندیدہ عورتوں میں سے دو یا تین یا چار سے شادی کر سکتے ہو) آیت سنتے ہی زوجہ محترمہ سارا درد بھول بھلا کر یکدم سے اُٹھ بیٹھیں جیسے کبھی بیمار ہی نہ تھیں۔

ممتاز قادری کے گلے میں پھندا

رانا محمد حسن لندن

آخر کار بدنام زمانہ قاتل ممتاز قادری اپنے انجام کو پہنچا۔ممتاز قادری پانچ برس تک جیل کی سلاخوں کے پیچھے بند تھا۔عشق رسول سے سرشار ہونے کا دعویٰ کرنے والے شخص کی رحم کی اپیل صدر پاکستان کی طرف سے مسترد ہونے پر اسے پھانسی دے دی گئی۔سمجھ نہیں آتا کہ دینی غیرت پر قتل کرنے والا شخص اسی جذبہ سے پھانسی پر کیوں نہ لٹکنا چاہتا تھا۔قادری کی غیرت رحم کی بھیک مانگتے ہوئے کہاں سوگئی تھی۔ممتاز قادری کا تعلق دعوت اسلامی کے ساتھ تھا، یہ تبلیغ اور قرآن وسنّت کی تنظیم ہے، اِس کے سربراہ مولانا الیاس قادری ہیں،ممتاز قادری نے کہا تھا کہ ''۳۱دسمبر ۲۰۱۰ کو میرے گھر کے سامنے مسلم ٹاؤن میں اِس تنظیم نے تحفظ ناموس رسالتؐ اور شان اہل بیت کے عنوان سے ایک اجتماع کیا۔اِس اجتماع میں امتیاز حسین شاہ کاظمی اور علامہ حنیف قادری نے عشق رسول ﷺ اور شان رسولؐ پر انتہائی پُراثر اور جذباتی تقاریر کیں، اِن دونوں حضرات کی تقریریں جذبات میں ڈوبی ہوئی تھیں، علامہ حنیف قریشی اپنے بیان کے دوران اِس قدر جذبات میں آگئے کہ اِن کا عمامہ اُن کے سَر سے گر گیا، اِن کے بال بکھر گئے اور اِن کا مائیک گر گیا، اِن کے اِس بیان اور اِن کی حالت سے اجتماع پر رقت طاری ہوگئی اور تمام حاضرین عشق رسول ﷺ میں دھاڑیں مار کر رونے لگے، اُنہوں نے جب غازی علم دین اور حضرت بلالؓ کے عشق کی بات کی تو جذبات کی شدّت سے میرا دل بھی رو پڑا اور میں نے اُسی وقت وہاں بیٹھے بیٹھے فیصلہ کیا میں گورنر پنجاب سلمان تاثیر کو ضرور قتل کروں گا کیونکہ اُنہوں نے ناموس رسالت قانون کو'' کالا قانون'' قرار دیا ہے اور یہ گستاخ رسول آسیہ بی بی کی حمایت بھی کر رہا ہے۔'' ممتاز قادری کو پھانسی دیے جانے سے قبل مولوی الیاس قادری نے کربلا کے شہیدوں کا واسطہ دے کر اللہ تعالیٰ سے اس بدنام قاتل کی زندگی کی دعا کی تھی جو صدر پاکستان سے کی گئی ممتاز قاری کی رحم کی اپیل کی طرح مسترد ہوگئی اس لیے اگلے روز ممتاز قادری کو پھانسی دیے جانے کے بعد اگلے روز قادری کی مغفرت کے لیے دعا کرتے دکھائی دیئے۔واصف علی واصف نے کیا خوب کہا تھا کہ ''ہم لوگ زندگی فرعون کی گزارتے ہیں اور عاقبت موسیٰؑ جیسی چاہتے ہیں۔''

گورنر پنجاب سلمان تاثیر کو انکے گارڈ ملک ممتاز احمد قادری نے ۴ جنوری ۲۰۱۱ کو اپنی ایس۔ایم۔جی کا پورا برسٹ اُن پر فائر کر کے ہلاک کر دیا۔جناب سلمان تاثیر کو ۲۷ گولیاں لگیں۔قاتل نے اپنے بیان میں کہا ہے کہ میں نے سلمان تاثیر کو توہین رسالت قانون کو کالا قانون کہنے پر قتل کیا ہے۔سلمان تاثیر کے قتل پر جناب حسن نثار نے کہا تھا کہ ''یہ جو ۲۶ یا ۲۷ گولیاں سلمان تاثیر کو لگی ہیں یہ دراصل اس کے جسم سے گزر کر پاکستان میں قوت برداشت، تحمل، توازن، غور وفکر، مکالمہ، آزادی اظہار اور منطقی سوچ کو لگی ہیں، اور جن معاشروں میں ان باتوں کا قتل عام ہو جائے اس معاشرہ کا انجام نوشتہء دیوار ہوتا ہے۔اگر غیر متوازن معاشرہ کو ''مکمل اجتماعی پاگل پن سے محفوظ رکھنا ہے تو اس کے کرتوں دھرتوں کو انہیں لگام دینا ہوگی جو سرِ عام اس کوڑھ، طاعون اور سرطان کو پروموٹ کرتے ہیں۔'' (جنگ لندن ۶ جنوری ۲۰۱۱ء)

معزز قارئین! قادری نے امانت میں خیانت کرتے ہوئے سلیمان تاثیر کو قتل کر دیا۔رسول اللہ ﷺ کو امانتوں کا حق ادا کرنے کی بناء پر امین بھی کہا جاتا ہے۔وہ توہین رسالت قانون جو ایک بیوی کے بے گناہ شوہر کو نگل گیا، وہ بیوہ اسے کالا سیاہ کالا قانون ہی کہیں گی۔اس طرح کی ظالمانہ وارداتیں کرنے والوں کی درندگی کا ہمارے آقا ومولیٰ حضرت محمد مصطفی ﷺ کی رحیمانہ تعلیمات سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہے۔آپؐ تمام مخلوقات کے لیے رحمت کا عظیم الشان سمندر تھے، آپؐ کی تعلیمات تمام زمانوں کے لیے ہیں۔آپؐ کے عطا کردہ انمول خزانے کسی نام نہاد مولوی کی میراث نہیں ہیں، تمام مخلوقات اور تمام انسان بلاتفریق مذہب وملّت اس شاندار خزانے سے بلا روک ٹوک فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔مذہب اسلام جو سراسر سلامتی کا مذہب ہے اس کے دروازے پر کسی مولوی کو سانپ بن کر بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے، اس کو مذہب اور حُبّ، رسول کے نام پر کسی کو ڈسنے کی اجازت نہیں ہے۔اور اُس رحمۃ للعالمینؐ کے نام پر کسی کو قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے جس نے اپنے کسی دُشمن سے اپنے نفس کے لیے بدلہ نہیں لیا۔مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ آپؐ نے اپنے نفس کے لیے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔'' ما انتقم رسول اللہ ﷺ لنفسہ فی شیٔ''۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا کہ مشرکین پر بد دُعا فرمایئے تو فرمایا: **ما ابعث لعانا و انما بعثت رحمۃ**۔ میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔(صحیح مسلم)

ممتاز قادری کے ہاتھوں سلمان تاثیر کے قتل پر نذیرؔ فتح پوری کی ایک غزل سے چند اشعار پیش خدمت ہیں۔

جشنِ نمرود مناتے ہیں تیرے شہر کے لوگ
مجھ کو شُعلوں میں جلاتے ہیں ترے شہر کے لوگ
اتنے فرعون صفت ہوں گے یہ معلوم نہ تھا
مجھ کو سُولی پہ چڑھاتے ہیں ترے شہر کے لوگ
اب بھی راون کی صفت رکھتے ہیں رکھنے والے
اب بھی سیتا کو چُراتے ہیں ترے شہر کے لوگ
مجھ کو اس دور کا سقراط سمجھ کر ہی نذیرؔ
زہر کا جام پلاتے ہیں ترے شہر کے لوگ

جنرل راحیل شریف جنرل بخت خان

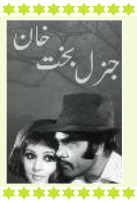

اثر چوہان

آرمی چیف جنرل راحیل شریف نے اپنے اِس اعلان پر کہ ''مَیں اپنی مُدّتِ ملازمت میں توسیع پر یقین نہیں رکھتا اور مقررہ وقت پر (29 نومبر 2016ء کو) اپنے عہدے سے ریٹائر ہو جاؤں گا''۔ اپنی راجپوتی کی آن بان قائم رکھتے ہوئے اپنے اُن چاہنے والوں کو مایوس کر دِیا ہے جو اُن سے اپنی سرکاری مُدّتِ ملازمت میں توسیع کیلئے فدوی، بندہ عاجز یا درخواست گُزار کا کردار ادا کرنے کی توقع کر رہے تھے اور اُن کو بھی جو ''قدم بڑھاؤ راحیل شریف ہم تمہارے ساتھ ہیں'' کے پوسٹرز چھپوا کر اسلام آباد اور دوسرے شہروں کی دیواروں پر چسپاں کر کے غائب ہو جاتے تھے اور جنرل صاحب کے ماتحت عملہ کو اُتارنے پڑتے۔ ابھی ملازمت میں توسیع کا معاملہ بہت دُور تھا کہ سندھ کے ذریعے رینجرز میں دہشت گردی اور مختلف جرائم کے الزامات میں سابق صدر آصف علی زرداری کے دوست ڈاکٹر عاصم حسین کی گرفتاری اور ریمانڈ کے دَوران بہت سے ''انکشافات'' کے بعد، وزیرِاعلیٰ سندھ اور پاکستان پیپلز پارٹی کی دوسرے اور تیسرے درجے کی قیادت کی طرف سے وزیرِاعظم نواز شریف کو ڈرایا جا رہا تھا کہ ''میاں صاحب! اتنی دُور تک نہ جائیں ورنہ کوئی اچانک آ جائے گا اور الیکٹرانک میڈیا پر آ کر کہے گا کہ ''میرے عزیز ہم وطنو! تُم سب چور ہو!''

اُدھر بڑی سرکاری کرسیوں پر کئی چھوٹے لوگ میڈیا پر یہ تاثر دے رہے تھے کہ ''جنرل راحیل شریف سرکاری ملازمت میں ہیں اور وہ جنابِ وزیرِاعظم کے احکامات کے تحت ہی اپنے فرائض انجام دے رہے ہیں اور بیرونی دوروں پر بھی اُن کی ہدایت پر'' جنرل راحیل شریف وزیرِاعظم نواز شریف کے ساتھ سعودی عرب اور ایران کے حکمرانوں سے ملاقات کے لئے گئے تو بعض مسلم لیگی قائدِین کا یہی انداز تھا۔ اِسی دوران 19/18 دسمبر 2015ء کو میڈیا کی زینت بننے والی اس خبر نے جنرل راحیل شریف کی عظمت کو دو چند کر دِیا کہ ''اپنی ریٹائرمنٹ سے ایک سال پہلے ہمارے آرمی چیف نے حکومت کی طرف سے مِلنے والے دو قیمتی پلاٹ (جن کی مالیت اربوں روپے ہے) دہشت گردوں کے خلاف جنگ میں شہید ہونے والے پاک فوج کے افسروں اور جوانوں کے ''شُہدا فنڈ'' کے لئے وقف کر دیئے ہیں''۔

مَیں نے 21 دسمبر کو ''اشرافیہ کے آزمائش کار جنرل راحیل شریف'' کے عنوان سے اپنے کالم میں لِکھا کہ ''ریٹائرمنٹ کی عُمر کے قریب سرکاری افسروں/ اہلکاروں کو اپنے اور اپنے اہلِ خانہ کے مستقبل کی زیادہ فکر ہوتی ہے لیکن جنرل راحیل شریف نے اپنے دو قیمتی پلاٹ ''شُہدا فنڈ'' کو وقف کر کے ''اشرافیہ'' (حکمران طبقہ، رؤسا، اُمراء اور اعلیٰ طبقے کے لوگوں) کو آزمائش میں ڈال دِیا ہے''۔ آج اُس خبر کی اشاعت کو ایک ماہ 10 دِن ہو چکے ہیں لیکن جنرل راحیل شریف کی پیروی کے لئے ''اشرافیہ'' کا کوئی بھی شخص، پٹھان/ مُغل بادشاہوں، انگریزوں اور سِکھوں سے مِلنے والی جاگیروں کے مالکوں کا کوئی بھی وارث اور نوابوں اور جاگیرداروں کی سی سیاسی زندگی بسر کرنے والے سیاسی عُلماء میں سے کوئی بھی عالم دین آگے نہیں بڑھا۔ قائدِاعظم بھی راجپوت تھے جنہوں نے اپنی ساری جائیداد کا ٹرسٹ بنا کر اُسے قوم کے نام وقف کر دِیا تھا لیکن عُلمائے سُو نے اُن کے خلاف کُفر کے فتوے دیئے۔

9 جنوری 2016ء کو امریکی ادارے اے پی سی نیوز نے اپنی ایک رپورٹ میں جنرل راحیل شریف کو دُنیا کے دس جنرلز میں سے بہترین جنرل قرار دے کر اُن کے ماموں میجر راجا عزیز بھٹی شہید (نشانِ حیدر) اور میجر شبیر شریف شہید (نشانِ حیدر) کی عظمت اور پاکستان کی توقیر کو چار چاند لگا دیئے۔ بھارت کے جنرل دلیر سنگھ آٹھویں نمبر پر رہے۔ پاک فوج کے افسران/ جوان اور دہشت گردوں سے نفرت کرنے والے محبِ وطن پاکستانی بہت خوش ہُوئے۔ مختلف سیاستدانوں/ مذہبی لیڈروں نے بھی خوشی کا اظہار کیا لیکن حکومت نے آل پارٹیز کانفرنس منعقد کر کے پاکستان کے مایہ ناز سپُوت کو کسی اعلیٰ ترین اعزاز سے نہیں نوازا۔ حد ہو گئی کنجوسی کی!۔

وزیرِاعظم نواز شریف کی پوزیشن اِس وقت وہی ہے جو 1857ء میں ہندوستان کے آخری مُغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کی تھی۔ 11 مئی 1857ء کو میرٹھ سے جنگِ آزادی کا آغاز ہُوا (اودھ کے مسلمان راجپوت جرنیل) جنرل بخت خان نے 31 مئی کو اپنی 30 ہزار فوج کے ساتھ انگریزی فوج کو دہلی میں شکست دی تھی لیکن مُغل شہزادوں کی نااہلی، درباریوں کی سازشوں اور بہادر شاہ ظفر کے فیصلے کرنے کی کمزور طبیعت کے باعث جنرل بخت خان، بادشاہ سے ناراض ہو کر کہیں چلا گیا۔ پھر رُوپوش ہو گیا۔ (جنگِ آزادی 8 ستمبر 1856ء کے 257ء سال بعد) 11 مئی 2013ء کے عام انتخابات میں میاں نواز شریف نے وفاق اور پنجاب میں بھاری مینڈیٹ تو حاصل کر لیا تھا لیکن دہشت گردوں اور اُن کے سہولت کاروں کے خلاف اُن کی مسلم لیگ کی اور اتحادیوں کی دہشت گردوں اور اُن کے سہولت کاروں کے بارے میں آراء عوام کے مفادات میں نہیں۔ جنرل راحیل شریف جنرل بخت خان کی طرح (تخت اسلام آباد سے ناراض ہو کر) کہیں چلے نہیں گئے ابھی 10 ماہ تک اُنہیں دہشت گردوں اور اُن کے سہولت کاروں کے خلاف پاک فوج کی کمان کرنا ہے لیکن یہ فیصلہ تو سپریم کورٹ اور ہائی کورٹس کے جج صاحبان کو اب بہت جلد کر دینا ہوگا کہ ''6 اپریل 2007ء کو (اسلام آباد کی سرکاری مسجد) لال مسجد کے (ملازم) خطیب مولانا عبدالعزیز نے خود کو ''امیر المومنین'' مقرر کر کے پورے مُلک میں شریعت نافذ کر کے مسجد میں شرعی

عدالت قائم کر کے ریاست کے خلاف جنگ کا اعلان کر دِیا تھا اور مسجد اور اُس سے ملحقہ جامعہ حفصہ میں چھپے شریعت کے داعی عورتوں اور مردوں کے خلاف صدر جنرل پرویز مشرف کے حکم پر پاک فوج کا ''Operation Sunrise'' کیا غیر قانونی/ خلافِ شریعت تھا؟ اور 12 جولائی 2007ء کو اسلام آباد میں امیر جماعتِ اسلامی قاضی حسین احمد (مرحوم) مولانا فضل اُلرحمن اور مولانا عبدالغفور حیدری کے اِس ''مشترکہ فتوے'' کی کیا حیثیت ہے کہ ''ہم لال مسجد پر بمباری اور امریکی مفادات کے لئے مارے جانیوالے پاک فوج کے افسروں اور جوانوں کو ''شہید'' نہیں سمجھتے۔

''طالبان کے باپ'' کہلانے والے مولانا سمیع اُلحق نے اپنی صدارت میں لاہور میں منعقدہ 15 فروری 2014ء کے 20 مذہبی جماعتوں کے رہنماؤں اور 200 عُلماء کے اجلاس میں طالبان کو ''پاکستان کے بیٹے'' تسلیم کرایا تھا۔ جماعتِ اسلامی کے سابق امیر سیّد منور حسن بھی پاک فوج کے شہیدوں کو ''شہید'' ماننے سے انکاری ہیں اور جہاد و قِتال کا فلسفہ عام کرنے کا فتویٰ دے چکے ہیں۔ مولانا عبدالعزیز جمہوریت کو ''کُفر کا نظام'' قرار دے چکے ہیں۔ اُن کی بیگم اُمّ حسان کی مدرسے کی معلمات اور طالبات علی الاعلان ''داعش'' کا پروپیگنڈا کر رہی ہیں۔ مولانا عبدالعزیز کی نگرانی میں 18 مدرسوں میں داعش'' کا فتنہ پھیلایا جا رہا ہے۔ آصف علی زرداری کے بعد میاں نواز شریف بھی دہشت گردوں کے سہولت کاروں کے نرغے میں ہیں، اُن کی سرکوبی کے لئے جنرل راحیل شریف یا اُن کے بعد نئے آرمی چیف کو مکمل اختیارات دینا ہوں گے۔ وگرنہ کہیں حاسدوں کی خواہش کے مطابق یہ کہنے والا نہ آ جائے کہ ''میرے عزیز ہم وطنو! تم سب چور ہو''۔

جستہ جستہ - عاصی صحرائی

زمانہ کتنا بدل گیا ہے

☆ایک عرصہ پہلے لوگ اپنے گھر کے دروازے پر آدمی رکھتے تھے تا کہ کوئی کتا گھر میں نہ گھس آئے۔ مگر آج کل لوگ دروازے پر کتا رکھتے ہیں کہ کوئی آدمی گھر میں نہ گھس آئے۔ ☆ پہلے لوگ کھانا گھر پر کھاتے تھے اور پاخانہ باہر جا کر کرتے تھے اب لوگ پاخانہ گھر پر کرتے ہیں اور کھانا باہر کھانا پسند کرتے ہیں۔ ☆ پہلے شادی پر گھر کی عورتیں کھانا پکاتی تھیں اور ناچنے والیاں باہر سے آتی تھیں اب کھانا بنانے والے باہر سے آتے ہیں اور گھر کی عورتیں ناچتی ہیں۔ ☆ پہلے آدمی سائیکل چلاتا تھا تو غریب سمجھا جاتا تھا۔ اب آدمی کار پر جم (ورزش خانہ) سائیکل چلانے جاتا ہے۔

☆ جب بیٹا ڈاکٹر، انجینئر، پروفیسر، ٹیچر بن جاتا ہے تو والدین بہت احتیاط سے بات کرتے ہیں کہ کہیں بیٹا ناراض نہ ہو جائے۔ اور جب بیٹا حافظ قرآن، عالم یا مفتی بن جاتا ہے۔ تو بیٹا احتیاط سے بات کرتا ہے کہ کہیں والدین ناراض نہ ہو جائیں۔

الگ سے

(احمد منیب۔ ایم۔ اے)

ایک یار دوست نے مجھ سے پوچھا کہ کیا آپ کے گھر پر لوٹا نہیں ہے؟ بات پلے نہیں پڑی حیرانگی سے اس کی طرف دیکھا۔ یک لخت مسکرایا اور جواب دیا بھائی صاحب! لوٹے، گھوڑے، گدھوں والی منڈی لگنا اب بند ہو چکی ہے اس لیے میں نے یہ صلائے عام دی ہے کہ مجھ کو لوٹا دو۔ ان موصوف کا اشارہ میرے ایک مضمون کی طرف تھا جو کسی اخبار میں چھپا تھا اور میرا اشارہ ٹوٹی پھوٹی، بوسیدہ، رمیدہ اور زخمیدہ حکومتوں کی طرف تھا۔ ہمارے وطنِ عزیز پاکستان نے تو اسی دن بے یقینی کی سیاہ چادر اوڑھ لی تھی ذرا یاد تو کیجئے اس الم ناک دن کو جب ہمارے قائداعظم محمد علی جناح نے وفات پائی تھی پھر کوئی بوگرا ہو یا ڈوگرا، چودھری ہو یا میاں، بی بی ہو یا زرداری ہو ملک ہو یا سیدزادہ ہو کسی سے بھی وطنِ عزیز کی بیماری کی تشخیص نہیں ہو سکی علاج کیا کرنا تھا کسی نے؟ ہمارے ملک کی کشتی امکان کے سمندر میں ہچکولے کھا رہی ہے ہاں فوجی حکمرانوں کے دورِ آمریت میں وطنِ عزیز میں ڈنڈے کے زور سے کچھ ترقی ضرور ہوئی۔

گویا وطنِ عزیز مارشل لا (Marshal Law) کو مخاطب کر کے کہہ رہا ہو کہ:

بیمار ترا بیمار رہا نباض بہت سر مار گئے
تُو پہلو میں جب آ بیٹھا سب درد گئے آزار گئے

اور مارشل لا بھی تُرت جواب دینے والا حاضر دماغ محکمہ ہے کہنے لگا:

اچھی قسمت والے وہ تھے جو یکسر ناکام ہوئے
وائے ہم بدبختوں پر جو جیتی بازی ہار گئے

پھر میں نے ان سے کہا کہ میاں! بات یہ ہے کہ:

ہم نے ہر شے کو الگ سے دیکھا
ہم میں یہ بات جدا سے آئی

میں نے تو باؤلیوں اور کنوؤں کو، اچھے حالات، امن و آشتی اور پرسکون وقتوں کو لوٹانے کی استدعا کی تھی یہ لفظ آپ نے غلط سمجھ لیا میں نے تو لیٹرین والے لوٹے کی یا وضو کرنے والے لوٹے کی بات نہیں کی۔ میں تو واپس کرنے کے معنوں میں لوٹانے کی بات کی تھی لیکن شاید کسی بڑے افسر نے اسے لوٹا دلوانا ہی سمجھ لیا اور اب تک گاڑی میں لوٹا لیے گھوم رہے ہوں کہ کہیں سڑک پر جوتیاں گھستا یا چٹخاتا ہوا لکھاری مل جائے اور میں یہ لوٹا اس کو دے دوں تا کہ اس کے دل کے درد پر کچھ مرہم نما پھاہا رکھ سکوں لیکن میں تو اب سڑکوں پر نکلتا ہی نہیں کیونکہ میرے شہر کا مزاج مجھے اس بات کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ یہاں پر لوگ جاتے کار پر ہیں اور آتے اخبار پر ہیں۔ اور پھر یہ بھی کہ مبادا مجھے لوگ لوٹا لوٹا کہہ کر چھیڑنا ہی نہ شروع کر دیں۔

میں نے تو ایک مسئلے کی طرف توجہ دلائی تھی لیکن مجھے کیا پتہ تھا کہ مسائل کی طرف توجہ دلانے والا خود بھی ایک مسئلہ بن جایا کرتا ہے۔ میرا تو بس اتنا سا خیال اور تجویز تھی کہ ہم سب کو مل کر اپنے مسائل حل کرنے کی طرف توجہ دینی چاہئے کیونکہ جس کا مسئلہ ہو اس کو زیادہ علم ہوتا ہے کہ اس مسئلے کو کس طرح حل کیا جا سکتا ہے۔ اگر ہر کوئی اپنا آپ درست کر لے تو سارا معاشرہ درست ہو جائے گا لیکن یہاں تو ہر کوئی دوسرے کو ٹھیک کرنے پر تلا بیٹھا ہے اپنی طرف کسی کو بھی توجہ نہیں کیونکہ کوئی بھی اپنی اصلاح کرنے کے موڈ میں نظر نہیں آتا ہر کوئی دوسروں کو ٹھیک کرنے کے موڈ میں ہے۔ جبکہ معاشرے میں بہتری کے آثار صرف اسی صورت میں پیدا ہو سکتے ہیں جب ہر کوئی اپنی اپنی اصلاح کا بیڑا اُٹھائے نہ ایک دوسرے کو ٹھیک کرنے کا۔ بس اگر ہر کوئی خود کو ٹھیک کر لے تو دیکھئے گا کہ کس طرح سارا معاشرہ یک لخت اصلاح پذیر ہو جاتا ہے اور ہمارے جملہ مسائل حل ہونا شروع ہو جائیں گے۔ لیکن افسوس تو اس امر کا ہے کہ ہماری طبیعتیں مسائل کو محسوس کرنے پر زیادہ آمادہ رہتی ہیں حل کرنے کی طرف نہیں۔ شور مچا دینا کہ ہمارا یہ مسئلہ ہے، ہمارا یہ مسئلہ ہے لیکن اس کے لیے صدقِ دل اور قدمِ صدق سے کوشش نہ کرنا یہ بھی کئی ایک مسائل کو جنم دینا ہے۔

پس مسائل کی طرف توجہ کرنا اور ان کے حل تلاش کرنا ہی اصل مسئلہ ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ امن عامہ قائم کیسے ہو؟ حل یہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَفْشُوْا السَّلَامَ۔ سلام کو رواج دو اور اس کے مضمون کی طرف توجہ کر کے اس کو عملی طور پر اپنی طبائع میں اُتار لو تو یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔ سلام کا مطلب ہے کہ ایک دوسرے کے لیے امن کی ضمانت مہیا کرو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دَورِ مبارک میں سلام کا رواج تھا اسی لیے امن تھا۔ جب ہم ایک دوسرے کے سامنے آتے ہیں تو اگر ہم کہیں کہ السلام علیکم تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میری طرف سے آپ امن میں ہیں اور آپ پر سلامتی ہو اور جواب دینے والا بھی سامنے والے کو امن کی گارنٹی دیتے ہوئے کہتا ہے کہ میری طرف سے بھی آپ کو امن اور سلامتی کی ضمانت ہو۔ ایک صحابی نے دوسرے سے کہا کہ آؤ بازار چلتے ہیں۔ دونوں بازار گئے لیکن کچھ بھی خرید و فروخت نہیں بلکہ گھوم پھر کر واپس آ گئے ساتھ جانے والے صحابی نے پوچھا کہ آپ مجھے بازار لے گئے لیکن آپ نہ تو کسی دکان پر ٹھہرے نہ ہی کوئی چیز خریدی اور گھوم پھر کر واپس آ گئے یہ کیا کیا آپ نے؟ تو اس صحابی نے دوسرے سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اَفْشُوْا السَّلَامَ سلام کو رواج دو تو میں بعض اوقات صرف اس حکم کی تعمیل کے لیے بازار میں جاتا ہوں اور ہر ایک خواہ میں اس کو جانتا ہوں یا نہیں جانتا سب کو سلام کرتا ہوں ایک تو اس سے تیس نیکیاں کما لیتا ہوں اور دوسرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل بھی ہو جاتی ہے۔ آج ہمارا معاشرہ ایسا بدامنی کا شکار ہو چکا ہے کہ اس حکم کی اہمیت کا اچھی طرح اندازہ ہونے لگا ہے۔ پس اگر ہم میں سے ہر کوئی سلامتی کا ضامن بن جائے تو ہو ہی نہیں سکتا کہ امن عامہ کا مسئلہ حل نہ ہو جائے۔

ہر کوئی ایک دوسرے کی خدمت کرنے پر کمر بستہ ہو جائے تو مسائل خود بہ خود حل ہونا شروع ہو جائیں۔ آج سیلاب زدگان کے لیے قوم باہر نکلی ہے، آج قوم نے درد محسوس کیا ہے اس درد کو اگر ہر کوئی اپنے دل کا حصہ بنا لے اور اس درد اور تکلیف کے وقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو اپنا بھائی سمجھ لے اور اپنے جسم کا حصہ سمجھے جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ہر ایک مسلم دوسرے مسلمان کو بھائی ہے اور مسلمان ایک جسم کی طرح ہیں جس طرح جسم کے کسی ایک حصہ کو اگر تکلیف پہنچے تو سارا جسم اس تکلیف کو محسوس کرتا ہے اسی طرح اگر ہمارے مابین یہ اخوت قائم ہو جائے تو ہم ایک دوسرے کا درد سمجھ کر اس کو دور کرنے کی کوشش کر سکتے ہیں ورنہ تو ہم خود غرضی کی زندگی گزار کر نفسانی موت مر جائیں گے۔ کسی کو کفن نصیب ہوگا اور کسی کو نہیں، کسی کا جنازہ پڑھا جائے گا اور کسی کا نہیں۔ یہی وہ موقع ہے جب ہم سیلاب زدگان کی بے لوث خدمت کا جذبہ لے کر میدان عمل میں اترے ہوئے ہیں ہم آج کی سحر اور افطار میں ان کو اپنے دسترخوانوں پر بٹھا نہیں رہے بلکہ اپنے دسترخوان ان کے سامنے حاضر کر رہے ہیں تو یہی اس عہد کا صحیح وقت ہے کہ آؤ ایک ہو جائیں اور ایک دوسرے کے مسائل کو حل کرنے کے لیے جان، مال اور وقت کی قربانی پیش کر کے اللہ کے حضور سرخرو ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین۔

انسان

میں نے ایسے قیمتی انسان دیکھے ہیں جن کے بدنوں پر لباس نہیں تھے اور ایسے قیمتی لباس بھی دیکھے ہیں جن کے اندر انسان نہیں تھے۔

رشتوں کی رسی

کمزور تب ہوتی ہے جب انسان ''غلط فہمی'' میں پیدا ہونے والے سوالوں کے جوابات بھی خود بنا لیتا ہے۔

کنفیوشس

پرانے لوگوں میں جنہوں نے نیکی کو تمام دنیا میں پھیلانا چاہا تو سب سے پہلے اپنے ملک کو سنوارا۔ جب اپنی ریاست کو سنوارنا چاہا، پہلے اپنے گھر کو سنوارا، جب گھر کو دُرست کرنا چاہا تو پہلے اپنی تربیت کی جب اپنی تربیت کرنا چاہی تو اپنے خیالات میں خلوص پیدا کیا، جب اپنے خیالات میں خلوص پیدا کرنا چاہا تو اس سے پہلے اپنے علم کے دائرے کی وُسعت کو آخری حد تک وُسعت دے دی، اور علم کی یہ وُسعت چیزوں کی تحقیق میں پوشیدہ ہے۔

آسٹریلیا میں چینی زبان سیکھنے کا رُجحان

(ڈاکٹر طارق احمد مرزا۔آسٹریلیا)

آسٹریلیا کی تقریباً ہر حکومت کی طرف سے ایشیائی زبانوں مثلاً جاپانی اور چینی زبان (اور آجکل ہندی بھی) سیکھنے اور سکھانے پہ بہت زور دیا جاتا رہا ہے تا کہ ان زبانوں کی حامل قوموں اور متعلقہ ممالک سے مختلف شعبہ ہائی حیات میں روابط بڑھا کر ان سے فوائد حاصل کئے جا سکیں۔آسٹریلیا کے سابق وزیراعظم Kevin Rudd خود بھی چین سے ڈگری یافتہ اور چینی زبان کے ماہر ہیں۔نہ صرف یہ کہ آپ کا داماد چینی النسل ہے بلکہ آپ نے آسٹریلیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ایک چینی نژاد آسٹریلین خاتون کو ملکی کابینہ میں اہم قلمدان بھی سونپے تھے۔اسی سلسلہ میں آسٹریلیا کی ایک ریاستی حکومت Victorian State Government نے دو برس قبل پرائمری سکولوں سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک چینی زبان کی تدریس وترویج کی مد میں 13 ملین ڈالر مختص کرنے کا اعلان کیا تھا۔تا کہ آسٹریلیا کی آئندہ آنے والی نسلوں کو چین کے ساتھ روابط برقرار رکھنے اور انہیں مزید اُستوار کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو۔واضح رہے کہ چین کے ساتھ اقتصادی تعلقات آسٹریلیا کی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔چنانچہ سال 2011 میں دونوں ملکوں کے درمیان 121 Billion بلین ڈالر مالیت کی تجارت ہوئی۔ مذاقاً یہاں تک کہا جاتا ہے کہ اگر چین نہ ہوتا تو عام آسٹریلین پتوں سے تن ڈھانپتے اور کھلے آسمان تلے سوتے!

ایک حدیثِ مبارکہ کے مطابق آنحضور ﷺ نے تحصیلِ علم کی اہمیت پہ زور دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ ”علم حاصل کرو خواہ اس کے لئے تمہیں چین ہی کیوں نہ جانا پڑے“ (کنز الاعمال، نیز شعب الایمان) عموماً اس حدیث میں چین جانے سے مراد دُور کا سفر اختیار کرنا لیا جاتا ہے جو اپنی جگہ بالکل درُست ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ چین کا ملک آنحضور ﷺ کے زمانہ میں بلکہ اس سے بھی پہلے سے نہایت ترقی یافتہ تھا اور مختلف علوم کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔جس کی بعض مثالیں Han Dynasty (206 قبل مسیح تا 220 بعد مسیح) کے عہد حکومت میں قدرتی گیس کی دریافت اور پھر بانس کو بطور ’پائپ‘ استعمال کر کے گیس کو آبادی کے استعمال کے لئے فراہم کرنا، متحرک چھاپہ خانہ، میکانکی گیئر کے ذریعے پہیوں کا کنٹرول، کھلنے اور بند ہو جانے والی چھتری کی ایجاد، شمسی دُور کو 25.365 یونٹوں میں تقسیم کرنا، زلزلہ پیما کی ایجاد، زیرِ زمین کان کنی نیز Gun Powder کا استعمال وغیرہ ہیں۔ریشم Silk کے نفیس کپڑوں کا ذکر بھی متعدد احادیث میں ملتا ہے جو چین نے ہی دنیا میں متعارف کروائی تھے۔اس پہلو سے مذکورہ حدیث میں چین کے لفظ کو Literal یعنی ظاہری طور پر لینا بھی بجا ہوگا جس میں دُوری کے معنے بہر حال شامل ہیں۔اس لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ حدیث ایک پیشگوئی کا مقام بھی رکھتی ہے جس کے مطابق چین رہتی دنیا تک علوم وفنون کا گہوارہ بنا رہے گا کیونکہ خاتم النبیین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرمودات ہرگز کسی ایک دور تک محدود نہیں۔دیکھنا یہ ہے کہ ایک غیر قوم یعنی آسٹریلیا کی تقلید میں نہیں بلکہ پیارے نبی پاکؐ کے فرمان پہ عمل کرتے ہوئے مسلمان ممالک چینی علوم و فنون کو اپنے فائدہ کے لئے استعمال کرنے اور اس غرض سے چینی زبان سیکھنے اور سکھانے میں کیا پیش رفت دکھاتے ہیں!

دلچسپ تاریخی حقائق

ثقلین مبارک آسٹریلیا

☆ آسٹریلیا میں کبھی کوئی بڑی جنگ نہیں لڑی گئی۔☆ ونسٹل چرچل نے کہا تھا کہ شدت پسند انسان وہ ہے جو کسی صورت اپنا ذہن تبدیل نہیں کرتا۔☆ مشہور سائنسدان نیوٹن برطانوی پارلیمنٹ کا رکن بھی تھا اجلاسات کے دوران وہ بالکل خاموش رہتا تھا ریکارڈ کے مطابق اس نے اس سارے عرصے میں صرف ایک بار ایک فقرہ کہا تھا کہ برائے مہربانی کھڑکی کھول دیں۔

☆ کریملین (ماسکو میں روس کے صدر کی سرکاری رہائش گاہ اور دیگر ملحقہ عمارت) میں 47 زار مدفون ہیں۔☆ قدیم مصر میں انسانی لاش کو حنوط کرنے کے عمل میں مردہ شخص کے دماغ کو اس کے ناک کے ذریعہ باہر نکالتے تھے۔☆ قدیم زمانہ میں بحر روم کے گرد آباد ممالک میں صابن نہیں ہوا کرتا تھا لوگ جسم کی صفائی کے لئے زیتون کا تیل استعمال کرتے تھے۔☆ دمشق دنیا کا قدیم ترین شہر ہے اہم بات یہ ہے کہ یہ وہ قدیم شہر ہے جو آج تک مسلسل آباد ہے۔

☆ برطانیہ کے دوسرے بادشاہ ہنری ہشتم نے پاپائے روم سے الگ ہو کر چرچ آف انگلینڈ بنایا اس کی وجہ یہ تھی کہ پوپ نے اس طلاق کو منظور نہیں کیا تھا جو ہنری ہشتم نے اپنی چھ بیویوں میں سے پہلی بیوی کو دی تھی۔☆ سکاٹ لینڈ میں کرسمس کی سرکاری تعطیل 1958ء تک شروع نہیں ہوئی تھی۔

☆ گزشتہ ساڑھے تین ہزار سال عالمی تاریخ کے مطالعہ کے بعد ایک اندازہ یہ لگایا گیا ہے کہ مجموعی طور پر صرف 230 سال سال ایسے ہیں جن میں کوئی جنگ نہیں ہوئی۔☆ لمبائی کا پیمانہ فٹ 12 انچ کا ہوتا ہے یہ اس لئے مقرر کیا گیا تھا کیونکہ انگلینڈ کے بادشاہ ہنری اوّل کا بازو 36 انچ کا تھا اور اس نے یہ فیصلہ صادر فرمایا تھا کہ ایک فٹ اس کے بازو کے ایک تہائی کے برابر ہونا چاہیے۔

☆ رومی سلطنت ایک بڑی سلطنت تھی مگر یاد رہے کہ تاریخی انسانی میں رقبہ کے اعتبار سے یہ پہلی 15 بڑی سلطنتوں میں بھی شمار نہیں ہوتی۔

بے گھر لوگوں کے آباد شہر

فراز حمید خان

اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے یو این ایچ سی آر کی طرف سے جاری کی گئی سالانہ رپورٹ کے مطابق دو برس پہلے دنیا بھر میں اپنا گھر بار چھوڑنے ملین پر مجبور ہونیوالوں کی مجموعی تعداد 2.51 رہی۔گزشتہ برس کے مقابلے میں یہ تعداد چھ ملین زیادہ ہے۔اس رپورٹ کے مطابق دنیا بھر میں پناہ کی تلاش میں دوسرے ملکوں کا رُخ کرنیوالے انسانوں کی کل تعداد 7.16 ملین ہوگئی ہے جو 2001ء کے بعد سب سے زیادہ ہے۔اس رپورٹ میں اپنے ہی ملک میں بے گھر ہونیوالوں کی تعداد 3.33 ملین بتائی گئی ہے۔رپورٹ کے مطابق جبری مہاجروں کی شرح میں اضافہ کی ایک وجہ شام کا بحران بھی ہے۔ایسے ممالک کے ان شہروں کے بارے میں مختصر بتاتے ہیں جہاں بے گھر افراد کی بڑی تعداد سڑکوں پر سونے پر مجبور ہے۔

منیلا،فلپائن:

ایک محتاط اندازے کے مطابق فلپائن کے شہر منیلا میں گندگی کے ڈھیروں پر پلنے والوں کی تعداد 8.22 ملین سے زیادہ ہے۔خود فلپائنی حکومت کے مطابق اس شہر میں 2.1 ملین بچے گلیوں میں بھیک مانگتے ہیں۔اتنی بڑی تعداد میں 70 ہزار کے قریب بچے بھیک مانگنے کیلئے میٹرو ٹرین پر سوار ہوکر شہر کا رُخ کرتے ہیں۔نیویارک، امریکہ۔ یہاں 60 ہزار سے زائد لوگ شیلٹر ہومز میں رہتے ہیں ان میں 22 ہزار کی تعداد بچوں کی ہے۔ایک تحقیقاتی رپورٹ کے مطابق نیویارک کی مقامی حکومت اپنے شہریوں کو رہائشی سہولیات فراہم کرنے میں ناکام رہی اور یوں یہ شہر بھی بے گھر شہریوں کی آماجگاہ بن گیا۔بے گھر افراد کی تعداد صرف نیویارک میں ہی نہیں رہتی بلکہ اسی طرح کی صورتحال کا سامنا لاس اینجلس کو بھی ہے۔ایک سروے (افراد بے گھر) رپورٹ کے مطابق یہاں 57737 افراد بے گھر صورتحال کا شکار ہیں۔سان فرانسسکو کے دس ہزار سے زائد لوگ عارضی پناہ گھروں میں رہتے ہیں۔سان فرانسسکو کے بے گھر افراد شام ہوتے ہی سونے کی جگہ کی تلاش میں مصروف ہوجاتے ہیں۔۲۰۱۳ء کی ایک سروے رپورٹ کے مطابق واشنگٹن میں بے گھر لوگوں کی تعداد 9106 ہے اور یہ تعداد بڑی تیزی سے بڑھ رہی ہے۔ماسکو،روس۔ روس میں بے گھر افراد کی تعداد 5 ملین سے زیادہ ہے۔ماسکو میں پچاس ہزار سے زائد لوگ سڑکوں پر رات بسر کرتے ہیں۔ان میں سے اکثریت کوڑے کے ڈھیروں پر نظر آتے ہیں جبکہ بیشتر لوگ پبلک مقامات پر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔میکسیکوسٹی ،میکسیکو۔میکسیکوسٹی کی کل آبادی کا چالیس فیصد حصہ غرباء پر مشتمل ہے۔ایک این جی او کے مطابق اس دارالخلافہ شہر میں پندرہ سے تیس ہزار لوگ گلیوں اور کوڑے کے ڈھیروں پر راتیں بسر کرتے ہیں۔یہ بے گھر لوگ خوراک کی تلاش میں لوگوں کے دروازوں پر پھینکی گئی کھانے پینے کی اشیاء میں سرگرداں رہتے ہیں۔جکارتہ،انڈونیشیاء۔

2010ء کی مردم شماری کے مطابق انڈونیشیا کے شہر جکارتہ میں 28364 لوگ بے گھر ہیں۔ بے گھروں کی اتنی بڑی تعداد وہاں کے مقامی موسموں کی وجہ سے بھی ہے۔یہاں اکثر سیلاب آتے ہیں اور ان کی وجہ سے ہر سال ہزاروں لوگ کو سڑکوں پر زندگی گزارنا پڑتی ہے۔ممبئی ،بھارت۔2003ء میں بھارت میں بے گھروں کی تعداد 23 ملین تھی اور گزشتہ بارہ برسوں میں یہ تعداد 100 فیصد بڑھی ہے۔ بونیز، ارجنٹائن۔ بونیز کی گندگی سے لدی ہوئی گلیوں میں بے گھر افراد پھرتے نظر آتے ہیں یہاں بیس ہزار سے زائد لوگ بغیر چھت کے رہتے ہیں۔بدھالیٹ ،ہنگری۔ہنگری کا شہر بدھا پسٹ بے گھر افراد کی آماجگاہ ہے۔ یہاں بھی روزانہ 20 ہزار سے زائد افراد شام کو رات گزارنے کے لئے فکرمند ہوتے ہیں۔

ساؤپالاؤ، برازیل۔سونے کی کانوں کے حوالے سے جانے والی برازیل جہاں ہمیشہ فٹ بال کے کھیل کا بخار چڑھا رہتا ہے۔ وہاں بھی بے گھر افراد کی ایک بڑی تعداد بڑی عمارتوں کی سیڑھیوں پر سوتی ہے۔دس ہزار سے زائد لوگ شام کو اپنی پناہ کی تلاش میں مارے مارے پھرتے نظر آتے ہیں۔ایتھنز، یونان۔یونان میں بے گھروں کی تعداد بیس ہزار سے زائد ہے جس میں نو ہزار سے زائد افراد ایتھنز میں زندگی بسر کرتے ہیں 2009ء سے آج تک ہر برس یہ تعداد تیزی سے بڑھ رہی ہے۔سان ڈی گو،کیلیفورنیا۔کیلی فورنیا کی کل آبادی 13 ہزار لاکھ 45 ہزار افراد پر مشتمل ہے جس میں دس ہزار سے زائد لوگ بغیر گھر رہتے ہیں۔روم ،اٹلی۔اٹلی کے 27 ہزار بے گھروں میں صرف روم اٹلی کے میں بغیر چھت کے زندگی بسر کرنے والوں کی تعداد دس ہزار سے زائد ہے۔ٹوکیو، جاپان۔دنیا کے جن شہروں نے برق رفتار ترقی کی ہے ان میں ایک نام جاپان کے شہر ٹوکیو کا ہے جہاں راتیں جاگتی ہیں۔ٹوکیو میں ایک گھر کا اوسط کرایہ ایک لاکھ مقامی کرنسی ہے۔اس ترقی یافتہ شہر میں بھی ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو بے گھر ہیں اور چھت کے بغیر زندگی بسر کررہے ہیں۔بالٹی مور، میری لینڈ۔میری لینڈ کے شہر بالٹی مور میں 2011ء میں آٹھ ہزار سے زائد لوگ گھروں کے بغیر رہ رہے تھے لیکن بالٹی مور کی مقامی حکومت نے اس مسئلے پر قابو پانے کیلئے عملی اقدامات کئے ہیں۔جیسے انہوں نے بوتھ ہاؤسز تعمیر کئے ہیں جہاں ایمرجنسی بنیادوں پر تیس سے نوے دنوں کی لئے بچوں اور فیملی والے افراد کو رہائش کی سہولیات دی جاتی ہیں۔ڈبلن ،آئرلینڈ ایک حالیہ سروے میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ آئرلینڈ کے شہر ڈبلن میں ہر روز سات افراد بے گھر ہوئے ہیں 2013ء میں پہلی مرتبہ یہ رپورٹ ہوا کہ یہاں روزانہ تین ہزار سے زائد افراد ڈبلن کی گلیوں میں راتیں بسر کرتے ہیں۔نیروبی ،کینیا۔ایک ٹی وی رپورٹ کے مطابق نیروبی میں بے گھر لوگوں کی تعداد ڈھائی دو لاکھ سے زیادہ ہے۔ان میں سے اکثریت عارضی اور خطرناک عمارتوں میں رہائش پذیر ہیں جنہیں کسی وقت بھی گرایا جاسکتا ہے۔ان گھروں میں بنیادی سہولتوں کی شدید قلت ہے۔یروشلم،اسرائیل ۔اسرائیلی حکومت اعداد و شمار کے مطابق یروشلم میں پانچ ہزار سے زائد لوگ روزانہ سڑکوں پر رہتے ہیں۔ (دنیا میگزین 18 اکتوبر 2015ء)

جواں سال شاعر ساجد محمود رانا کا شعری مجموعہ
دنیائے شعر و ادب میں ایک خوشگوار اضافہ
''صدیوں کا سفر''

عذرا نازر یڈنگ۔یوکے

ساجد محمود رانا کا شعری مجموعہ ووکنگ کے عالمی مشاعرے میں مجھے ساجد رانا نے بصد خلوص عنایت کیا۔میں اپنی سہولت سے ان کی کتاب گاہے گاہے پڑھتی رہی اور مجھ پر ساجد رانا کی شاعری کے حسن کے پہلو رفتہ رفتہ منکشف ہوتے چلے گئے۔یہ یقین کرنا مشکل تھا کہ یہ کلام کسی نوجوان شاعر کا ہے کیونکہ اس میں پختگی اور گہرائی اتنی زیادہ ہے جو صدیوں کا سفر طے کرنے کے بعد نصیب ہوا کرتی ہے۔تب مجھے احساس ہوا کہ یہ سفر شاعر کے اندر کا سفر ہے جو ذات کا سفر ہے اور اس سفر کی مسافت کی تھکن کا احساس ان کی شاعری میں واضح طور پر دکھائی دیتا ہے۔ساجد رانا لندن کے اُبھرتے ہوئے شاعر ہیں اور رفتہ رفتہ ان کے کلام کا جادو مضافات کو اپنی لپیٹ میں لیتا جا رہا ہے۔مجھے پورا یقین ہے کہ آنے والے دنوں میں ساجد رانا کا شمار اپنے خوبصورت اسلوب کی بنا پر اپنا ایک خاص مقام حاصل کر لے گا۔وقت کے ساتھ ساتھ یوں بھی لکھاری کا فن نکھرتا چلا جاتا ہے اور لب ولہجہ ایک خاص رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ان کے اشعار میں رومانویت کے پھول بھی کھلتے ہیں اور معاشرتی ناہمواریوں کا دکھ بھی پایا جاتا ہے۔

چاہا تھا زندگی میں جو مجھ کو ملا نہیں
اس پر ستم کہ پھر بھی کسی سے گلہ نہیں

یہ شعر دھیمے لہجے کی بہترین مثال ہے۔

عمدہ بات یہ ہے کہ وہ اپنے مخصوص انداز میں شعر کہتے ہیں اور دوسروں کے رنگ کی جھلک ان کے کلام میں کہیں بھی نہیں پائی جاتی۔یوں بھی اصل چیز انسان کی لگن اور جذبہ ہوتا ہے۔ساجد رانا کے بیشتر اشعار میں شعر کی فنی خوبیاں بدرجۂ اتم موجود ہیں اور ان کے بہترین شعری وادبی ذوق کی آئینہ دار ہیں۔ان کے اشعار میں قدیم روایت کی پاسداری بھی ہے اور لہجے کا دھیما پن بھی۔وہ بھی اسی معاشرے کا ایک فرد ہیں اور انھیں بھی معاشرتی انتشار کا پوری طرح سے احساس ہے بلکہ وہ اس صورتحال پر شکوہ کناں بھی دکھائی دیتے ہیں۔اس کی بہترین مثال ان کے ان اشعار میں ملتی ہے

ظالم کو بھی ظالم جو کہو گے تو مرو گے
خاموش یہاں پر جو رہو گے تو مرو گے
جس دیس کے حاکم ہیں فقط زر کے پجاری
اس دیس میں آزاد رہو گے تو مرو گے

ساجد رانا خوبصورت لہجے کے شاعر ہی نہیں بلکہ ایک خوبصورت دل اور خوبصورت سوچ کے حامل انسان بھی ہیں۔بے حد خلیق اور ملنسار ہیں۔پہلی بار میری ملاقات ان سے ٹوٹنگ لندن کے عالمی مشاعرے میں ہوئی اور انھوں نے پہلی بار مجھے جب آپا کہہ کر مخاطب کیا تو میں بے خوش ہوئی اور مجھے بے حد اپنائیت کا احساس ہوا۔ہیں۔وہ ہر کسی کے لئے دل میں بے پناہ عزت اور خلوص کا جذبہ رکھتے ہیں۔دوسروں کے لئے ہمیشہ اچھا سوچتے ہیں اور پورے دل سے ہر کسی کے کام آنے کی کوشش کرتے ہیں۔

شاعر معاشرے کا حساس ترین فرد ہوتا ہے اور یہ حساسیت غیر محسوس طور پر شاعر کی شاعری میں در آتی ہے۔ان کے اشعار نہ صرف قومی زبان سے محبت کا بلکہ وطن سے محبت کا بین ثبوت ہیں بلکہ وہ اپنے وطن سے عشق میں مبتلا ہیں۔یہی وجہ ہے کہ دیارِ غیر میں رہتے ہوئے بھی اور یہاں کی مشینی زندگی میں الجھ کر بھی انھوں نے کچھ نہ کچھ لمحات چرا کر شعر وسخن کی خدمت کے ذریعے اپنی مٹی کا خراج ادا کیا ہے۔انھوں نے شعر و ادب سے اپنا رشتہ بہر صورت بحال رکھا ہے۔مغرب کی رنگینیاں اور بزم ہائے رنگ و بو بھی ان کے دل سے وطن کی محبت کو دور نہیں کر سکیں۔ان کا حساس دل اپنی مٹی کی خوشبو کے لئے ہمیشہ تڑپتا رہتا ہے۔

مجھے اپنی جاں سے بھی پیارا وطن ہے
مری زندگی کا سہارا وطن ہے
مجھے کہکشاں کی بھلا کیا ضرورت
مرے پاس روشن ستارا وطن ہے

ایک اور جگہ کہتے ہیں۔

نہیں ہو سکی کم وطن کی محبت
مرے دل میں ہر دم وطن کی محبت

اور سچ تو یہ ہے کہ یہ محبت ان کی باتوں سے بھی جھلکتی ہے۔لیکن یہ محبت عمومی نہیں۔یہ محبت ہمہ گیر ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے اردگرد ہونے والے مظالم کو دیکھ کر وہ تڑپ اٹھتے ہیں اور بے اختیار کہتے ہیں۔

ظلم ہوتے ہوئے میں دیکھ رہا تھا لیکن
کچھ نہ کر پایا مرے دل کو پشیمانی ہے

میں تہِ خاک بھی تڑپوں گا نہیں بھولوں گا
جو عطا مجھ کو ہوا درد وہ لافانی ہے

لیکن شاید ساجد رانا یہ نہیں جانتے کہ یہ دردِ لافانی ہی تو شاعر کے فن کی معراج ہے۔اگر لافانی درد کی اس دولت سے محروم رہ جاتے تو کبھی بھی اک اچھے شاعر نہ بن پاتے۔ان کی شاعری ان کی طویل جدوجہد کا ثمر معلوم ہوتی ہے۔اور اپنی شاعری کی کتاب کے عنوان کے مطابق لگتا ہے انھوں نے بہت کم عمر میں صدیوں کا سفر طے کرلیا ہے۔ان کے اشعار میں زندگی کے تجربات کا رنگ واضح طور پر جھلکتا ہے۔

ساجد رانا کی پہلی شعری کاوش۔صدیوں کا سفر ان کے شعری سفر کا آغاز ہی سہی لیکن یہ سفر انھوں نے اگر اسی جذبے،شوق اور لگن سے جاری رکھا تو وہ ضرور اپنا منفرد مقام بنانے میں کامیاب ہوجائیں گے۔انشاءاللہ

کراچی امن کی جانب

اے حق۔لندن

پہلے پہل ایک لمبے عرصہ سے پاکستانی سیاست سُستی کا شکار تھی۔واضح طور پر نظر آرہا تھا کہ سیاسی پارٹیاں اپنے ذاتی مفادات کی خاطر مفاہمت کی بھنگ پی کر سو رہی ہیں۔لیکن عین اُس موقع پر جب پاکستان کے سابقہ دارالحکومت پر جدی پُشتی سیاستدانوں نے اپنی پارٹیوں کو مضبوط کرنے کی کوشش کی تو اچانک چھاپہ پڑ گیا۔کراچی کے سابقہ میئر مصطفی کمال نے گذشتہ دنوں کراچی کی طرف دیکھنے والی تمام پارٹیوں کو واضح کردیا کہ اگر کراچی سے ایم کیو ایم کا صفایا ہوا،تو پنجاب اور خیبر پختونخواہ کی پارٹیاں ہرگز کراچی کی طرف نہ دیکھیں۔مصطفی کمال نے جو انکشافات کئے وہ یقینا سبھی نے سُنے ہوں گے اُنہیں یہاں بیان کرنا غیر ضروری ہوگا۔لیکن میرے ذرائع کے مطابق کراچی کی عوام مکمل طور پر مصطفی کمال کی حمایت میں ہے اور اگر مصطفی کمال نے اپنی پارٹی کے نام کا اعلان کردیا اور مکمل طور پر میدان میں آگئے تو کراچی کی عوام کے ووٹ صرف اور صرف مصطفی کمال کو ملیں گے۔

یہ میں اپنی ذاتی سوچ کی بنیاد پر نہیں کہہ رہا بلکہ کراچی میں مصروفِ عمل وہ ادارے جو عوام کی رائے پر توجہ رکھتے ہیں اُن کی معلومات پر کہہ رہا ہوں۔اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ کراچی کی عوام ایم کیو ایم سے کس قدر تنگ ہے کیا کیا ظلم کراچی والوں پر ہوئے کس طرح کراچی میں خون کی ہولیاں کھیلی گئیں اور کس طرح عوام کو لوٹا گیا۔عدالتوں میں ہزاروں کیسز فائلوں کی شکل میں مٹی کھا رہے ہیں جن میں ملزمان کی فہرستیں ہیں اور اُن کے تعلقات کسی نہ کسی طرح ایم کیو ایم سے ہیں۔خیر یہ فیصلہ تو بعد میں ہوگا کہ ملزم کون اور مجرم کون.....!دوسرا پہلو،پریشان کن بات یہ بھی ہے کہ مصطفی کمال کے انکشافات پر حکومت کس طرح خاموشی سے سر جھکائے ہوئے ہے۔اس کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔مثلاً یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مصطفی کمال نہ صرف ایم کیو ایم بلکہ موجودہ حکومت کے بارے میں انکشافات نہ کردیں کیونکہ آخر وہ ایک لمبا عرصہ کراچی کے میئر رہے ہیں اور یقینا سیاستدانوں کے اندرونِ تعلقات کو ضرور جانتے ہوں گے۔ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ مصطفی کمال کو عسکری قیادت کی حمایت حاصل ہو اور اُنکی نظر میں کراچی کے امن اور کراچی کی ترقی کے حوالے سے بہترین شخصیت جانتے ہوئے ہوں۔ویسے اس بات میں قطعی کوئی شک نہیں کہ مصطفی کمال ایک شفاف انسان ہیں اور اپنی پارٹی اور عہدیداوں میں غیر شفافیت کو دیکھتے ہوئے وہ سیاست اور عہدہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔تیسرا پہلو،مصطفی کمال کے انکشافات نے پاکستان کی سیاست میں گرما گرمی تو پیدا کردی لیکن ان انکشافات اور الزامات کو ثابت کرنا بہت ضروری ہے۔ویسے تو پاکستان میں بیشمار ایسے سیاستدان موجود ہیں جن کے بارہ میں متعدد جرائم ثابت ہو چکے ہیں ۔لیکن کسی کے خلاف کوئی قانونی کاروائی نہیں ہوئی۔اب دیکھنا یہ ہے کہ سابق میئر کے بیانات میں کس قدر سچائی ہے اور یقینا سچائی وہی ہوگی جسے وہ ثابت کرسکیں گے۔اس تمام سیاسی بھوچال میں یہ بات ہرگز نہیں بھولنی چاہئے کہ نواز لیگ کی خاموشی اہم ترین پہلو ہے اور اس کے پیچھے چھپے حقائق کا سامنے آنا بھی بہت ضروری ہے۔جبکہ یہ امر بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر الطاف حسین کراچی پر مظالم ڈھاتے رہے،تو مصطفی کمال کے دور میں بھی ایسا ہی ہوتا رہا تب وہ خود خاموش کیوں رہے؟ کیوں اُس وقت اُنہوں نے عوام کو بچانے کی کوشش نہ کی؟ یہ سوال جواب چاہتا ہے!

قیامت کی ۲۰ نشانیاں

اعزاز لطیف خاں

۱۔زرداری غریب ہوجائے گا۔۲۔الطاف حسین کراچی آئے گا۔۳۔مشرف کو جیل ہوگی۔۴۔شیریں رحمن پردہ کرے گی۔۵۔چوہدری شجاعت کو بولنا آجائے گا۔۶۔شیخ رشید کی شادی ہوگی۔۷۔عمران خان وزیراعظم بنے گا۔۸۔رحمان ملک سچ بولے گا۔۹۔قائم علی شاہ بھنگ چھوڑ دے گا۔۱۰۔ملاں جھوٹ بولنا چھوڑ یگا۔۱۱۔پاکستان میں حقوق اللہ اور حقوق العباد کا دور دورہ ہوگا مسجد امن کا گہوارہ ہوگی ۔۱۲۔ملک میں اسلامی نظام آجائے گا۔۱۳۔پاکستان میں گھٹ تول تے جھوٹ بول ختم ہوجائے گا۔۱۴۔پاکستان میں عدل فاروقی آجائے گا۔۱۵۔سب لوگ بھائی بھائی بن جائیں گے۔۱۶۔پاکستان عرب و دیگر ملکوں کی خوشامد سے باز آجائے گا۔۱۷۔پاکستان میں چھوٹا اور بڑا،کالا اور گورا،برابر ہوجائیں گے۔۱۸۔پاکستان میں صحت تعلیم اور بجلی عام بلکہ وافر ہوجائے گی ۔۱۹۔پاکستان میں اقرباء پروری، لالچ،سفارش،رشوت،قتل،ڈکیتی،اغواء برائے تاوان،مہنگائی،ملاوٹ،بے ایمانی ختم ہوجائے گی۔۲۰۔پاکستان جنت نظیر ملک بن جائے گا۔

غزل انصاری کے ''سنہرے خواب''

اسحاق ساجد جرمنی

محترمہ غزل انصاری کی ادبی شناخت کے لئے جن ادباء وشعرا نے نمایاں کردار ادا کیا ان کی فہرست طویل ہے۔ تاہم یہاں میں نے ان کی شاعری پر اپنا تاثر بیان کرنے کے لئے قلم اُٹھایا ہے۔ اگرچہ غزل انصاری اپنی شاعری کے حوالے سے محتاجِ تعارف نہیں ان کی غزلیں نظمیں ملک بیرونِ ملک موقر جرائد میں تسلسل کے ساتھ شائع ہوتی رہتی ہیں۔ غزل انصاری کے فکر انگیز کلام کا مجموعہ ''سنہرے خواب'' مرے سامنے ہے۔ اس میں شامل کئی اشعار ہماری ادبی تاریخ میں سدا بہار رہیں گے۔ آپ کی غزلیں نظمیں غنائیہ بھی ہیں اور فکری بھی۔ غزل انصاریؔ کی شاعری اس ضمن میں سچی کھری ہے کہ آپ نے کسی تقلید کا اپنے آپ کو پابند نہیں کیا۔ میرے زیر مطالعہ چونکہ نظم ونثر کا طویل سلسلہ رہتا ہے اس لئے یہ بات وثوق اور یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ غزل انصاری اپنی منفرد طرزِ اظہار ایجاد کرنے میں کامیاب رہی ہیں۔ اگرچہ غزل انصاری نے حمد، نعت، غزل اور نظم لکھی ہیں لیکن ان کی طبیعت کا اصل رجحان غزل کی طرف ہے۔ غزل انصاری کی شاعری ان کے دلی جذبات واحساسات کی آئینہ دار ہے مرے نزدیک اچھی اور سچی شاعری کی بنیاد صالح روایات واقدار پر ہے اور غزل انصاری نے پوری طرح اسے ملحوظِ خاطر رکھا ہے غزل انصاری کا کلام نہایت صاف ستھرا ہے اور اپنی بات بڑی سادگی سے کہہ جانے کا ہنر جانتی ہیں۔ مجھے غزل انصاری کی شاعری میں جلد زائل ہونے والی تیز وتند کیفیت دور دور تک نظر نہیں آتی۔ ان کے لہجے کا ٹھہراؤ سامع کو گرویدہ کر لیتا ہے ان کے اشعار باطن سے خارج کا سفر کرتے ہوئے محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ غزل انصاری کی بیشتر غزلیں کسی بھی قسم کی آلودگی سے پاک نظر آتی ہیں اور اسی لئے وہ دلکش ودل پذیر کہے جانے کی مستحق ہیں۔

غزل انصاری کی ایک مختصر نظم 'یادیں' پیش ہے۔

یادیں تو سرمایہ ہیں
یادیں جیون مایہ ہیں
تپتی دھوپ میں چلنے والو
یادیں ٹھنڈی چھایا ہیں

لطیفہ: ایک صاحب کی اپنی کزن سے شادی ہوئی۔ ایک ماہ کے بعد بیگم کا تعارف کرواتے ہوئے کہنے لگا۔ کہ بھائی صاحب پہلے میرا ان سے بلڈ کا رشتہ تھا اب صرف بلڈ پریشر کا رشتہ ہے۔

حبیب جالب اور ناصر کاظمی

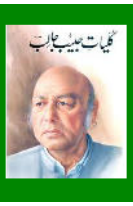

ایک مرتبہ حبیب جالب نے ناصر کاظمی سے کہا:

''میں آپ کی کوئی غزل رسالے میں چھپی دیکھتا ہوں، دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ کاش یہ میرے نام سے چھپتی،! ناصر کاظمی نے شکریہ ادا کیا، کچھ دیر بعد حبیب جالب نے پوچھا۔

''میری غزل دیکھ کر آپ کا کیا ردّعمل ہوتا ہے؟ ناصر کاظمی نے کہا شکر ادا کرتا ہوں کہ یہ غزل میرے نام سے نہیں چھپی؟

ایک دفعہ جون ایلیا نے کہا کہ میں ناکام شاعر ہوں۔ اس پر مشفق خواجہ نے انہیں مشورہ دیا کہ ''جون صاحب اس قسم کے معاملات میں احتیاط سے کام لینا چاہیئے۔ یہاں اہل نظر آپ کی دس باتوں سے اختلاف کرنے کے باوجود، ایک آدھ سے اتفاق بھی کر سکتے ہیں۔''

لاجواب:

پطرس بخاری سے پوچھا گیا، کیا آپ کبھی لاجواب ہوئے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا، ہاں ایک بار۔ ہوا یوں کہ میری گھڑی خراب ہوگئی۔ بازار میں گھڑیوں کی دکان نظر آئی۔ میں دوکان میں گیا اُنہیں گھڑی دی کہ یہ ٹھیک کرانی ہے۔ وہ کہنے لگے ہم تو گھڑیاں ٹھیک ہی نہیں کرتے۔

میں نے پوچھا: تو آپ کیا کرتے ہیں؟ جواب آیا، جی ہم ختنے کرتے ہیں۔ میں نے پوچھا پھر یہ گھڑیاں کیوں لٹکائی ہوئی ہیں؟ دکاندار بولا۔ آپ ہی بتادیں کہ ہم کیا لٹکائیں؟

الف حذف

اسٹیج پروگرام میں دلدار پرویز بھٹی نے انور مقصود کو چھیڑتے ہوئے کہا: اب تشریف لاتے ہیں نور مقصود۔ انور مقصود اسٹیج پر آئے کہا بھائی میرا نام انور مقصود ہے، نور مقصود نہیں۔

دلدار پرویز بھٹی: سر ہم پنجابی لوگ بھی ہیں شروع کا الف حذف کر دیتے ہیں۔ اس لئے میں نے نور کہا۔ انور مقصود نے جواب دیا۔ بھائی میری تو خیر ہے، ''خیال کرنا میرے پیچھے الّن فقیر آرہا ہے۔''

یاد رکھو:

پانی میں گئی ہوئی بھینس اور شاپنگ مال میں گئی ہوئی عورت کبھی جلدی باہر نہیں آتی۔

دیکھ کر: بیوی۔ میری شرافت دیکھو۔ میں نے تمہیں بغیر دیکھے شادی کر لی۔

شوہر: اور میری شرافت دیکھو میں نے دیکھ کر بھی انکار نہیں کیا۔ ہاہاہا۔

بیوی: جہاں بھی جاؤ قصے ہیں بیوی کے۔ کوئی لا کر رو رہا ہے۔

کوئی لانے کے لئے رو رہا ہے۔

ہائے یہ بوائے فرینڈز

رجل خوشاب

بوائے فرینڈز بڑے اعلیٰ قسم کے لوگ ہوتے ہیں یہ جس لڑکی سے سچے پیار کی قسمیں کھاتے ہیں شام کو اسی کی تصویر موبائل پر دوستوں کو دکھا کر فخر سے کہتے ہیں ''بچی چیک کر'' انہوں نے ہر لڑکی کا نام گڑیا رکھا ہوتا ہے تا کہ کسی بھی قسم کی جذباتی کیفیت میں کسی اور لڑکی کا نام منہ سے نہ نکل جائے۔ان بوائے فرینڈز کی اوّلین کوشش ہوتی ہے کہ کسی طرح گرل فرینڈ کی سہیلی کا موبائل نمبر لیا جائے اگر نمبر مل جائے تو چار دن بعد سہیلی کی سہیلی کا نمبر تلاش کرنے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں ایسے بوائے فرینڈز گھر میں اپنی والدہ کو بے بے اور والد صاحب کو ابا کہتے ہیں لیکن لڑکی کے سامنے مام ڈیڈ سے کم پر بات نہیں کرتے۔

یہ ہر روز گرل فرینڈ کو فون پر بتاتے ہیں کہ کوئی خوبصورت اور امیر لڑکی ہاتھ دھو کر اُنکے پیچھے پڑ گئی ہے اور بلا وجہ فون کر کے تنگ کرتی ہے یقین کرو گڑیا میں نے اسے بہت دفعہ ڈانٹا ہے لیکن وہ باز نہیں آتی امریکہ میں رہتی ہے اور ڈاکٹر ہے چھٹیوں پر پاکستان آئی ہوئی ہے پتا نہیں میرے پیچھے کیوں پڑ گئی ہے، آگے سے گڑیا اگر اس کا نمبر مانگ لے تو بڑی معصومیت سے کہتے ہیں کہ پتہ نہیں اس نے کیسا نمبر لیا ہوا ہے جو میرے موبائل سکرین پر شو نہیں ہوتا گڑیا بیچاری ساری رات سوچتی رہتی ہے کہ اس امیر زادی کا فون میری موجودگی میں کیوں نہیں آتا۔بوائے فرینڈز ایک جملہ بڑے تواتر سے بولتے ہیں" گڑیا مجھے کوٹھی، پیسے اور کاروں سے کوئی دلچسپی نہیں میں چاہوں تو ایک دن میں کروڑوں کما سکتا ہوں حالانکہ پیسے سے انکی محبت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ہر پندرہ دن بعد تین سو کا آکڑہ اس امید پر ضرور لگاتے ہیں کہ شاید چند ہزار انعام لگ جائے ایسے بوائے فرینڈز ہر گھنٹے بعد گڑیا کا ہاتھ پکڑ کر لمبی لمبی ضرور چھوڑتے ہیں کہ دل کرتا ہے تمہارا ہاتھ پکڑ کر سنگاپور نکل جاؤں حالانکہ خدا گواہ ہے کہ انکے پاس سنگاپور تو کیا خان پور تک کا کرایہ بھی نہیں ہوتا یہ چاہتے ہیں کہ لڑکی پر رُعب بھی پڑ جائے اور خرچہ بھی نہ ہو اسی لیے لڑکی کو کھانا کھلانے لے جائیں تو ہوٹل کے قریب پہنچ کر سر پر ہاتھ مار کر کہتے ہیں کہ اوہ شٹ یار اے ٹی ایم تو میں ہی بھول آیا اب کیا کریں؟ چلو سٹہ کھاتے ہیں۔جبکہ سچی بات تو یہ ہے کہ ان کے پاس اے ٹی ایم تو کیا بنک اکاؤنٹ تک نہیں ہوتا مختلف سٹیٹس کے بوائے فرینڈز بھی مختلف ہوتے ہیں انکی فرمائشیں بھی انکے کلچر کے مطابق ہوتی ہیں امیر بوائے فرینڈز ہر دوسرے روز لڑکی سے یہی فرمائش کرتا نظر آئے گا کہ یار چلو تو سہی وہاں سب اپنے یار دوست ہی ہوتے ہیں غریب بوائے فرینڈ اپنے ہی انداز میں فرمائش کرتا ہے پلیز عاشی تم اپنے کار والے کزن سے دور رہا کرو ایسے لوگ بھیڑیے ہوتے ہیں بوائے فرینڈز کو یہ بھی زعم ہوتا ہے کہ وہ اپنے خاندان کی لڑکیوں میں بہت مقبول ہیں اس بات کا اظہار وہ اکثر اپنی گرل فرینڈ سے کرتے رہتے ہیں'' عاشی یقین کرو میرے بڑے ماموں کی چھوٹی بیٹی جو انجینیر بن رہی ہے مجھ میں بہت انٹرسٹڈ ہے میں جب بھی انکے گھر جاتا ہوں میرے اردگرد ہی گھومتی رہتی ہے اور میرے لیے بھاگ بھاگ کر چیزیں لاتی ہے، دو چار دفعہ تو خودکشی کی دھمکی بھی دے چکی ہے لیکن میں اسے یہی سمجھاتا ہوں کہ یہ بری بات ہے، اب عاشی بے چاری کو کیا پتہ کہ انکے ماموں کے تو صرف تین بیٹے ہیں۔ایسے بوائے فرینڈز نے ہر لڑکی کو شادی کا جھانسا دے رکھا ہوتا ہے تاہم جب شادی ہو جاتی ہے تو رونی صورت بنا کر سارا ملبہ ماں پر ڈال دیتے ہیں اور بوکھلاہٹ میں یہ بھی نہیں سوچتے کہ کیا کہہ رہے ہیں" عاشی یقین کرو میں بہت مجبور ہو گیا تھا میری ماں نے اپنی پگ میرے قدموں میں رکھ دی تھی تو میں کیا کرتا: میں لڑکوں کی رَگ رَگ سے واقف ہوں یہ بڑی چیز ہوتی ہیں، چاہے تھیٹر میں نرگس کا ڈانس دیکھ رہے ہو لیکن جیسے ہی گرل فرینڈ کی کال آجائے فوراً'' کاٹ کر میسج کر دیتے ہیں کہ جان ایک جنازے میں آیا ہوا ہوں بعد میں بات کروں گا۔ایسے بوائے فرینڈز کے پاس ہر سوال کا جواب ہوتا ہے، لڑکی اگر پوچھے کہ کل تو تم نے کہا تھا کہ نئی گاڑی لینے لگا ہوں تو فوراً" لاپرواہی سے کہیں گے گاڑی کا کوئی مسئلہ نہیں وہ تو میں آج لے لوں لیکن جو مزہ سکوٹر میں ہے وہ گاڑی میں کہاں۔اس قسم کے بوائے فرینڈز پہلے بڑی معصومیت سے لڑکی کو اپنے سابقہ افیئرز کے بارے میں بتا دیتے ہیں پھر مکاری سے لڑکی کو بھی آمادہ کر لیتے ہیں کہ وہ بھی اپنا بتائے لڑکی بیچاری کچھ کہہ بیٹھے تو سمجھو پھر گئی کام سے ان بوائے فرینڈز کو نئی شرٹس پہننے کا بھی بہت شوق ہوتا ہے بڑے عامیانہ انداز میں لڑکی کو بتائیں گے کہ جب تک ہفتے میں levi's کی دو شرٹس نہ خرید لوں چین ہی نہیں آتا حالانکہ انکی اکثر شرٹس تب بنتی ہیں جب ابا کی دھوتی میں بُرا آنے لگے۔یہ اکثر لڑکی کے ساتھ ڈیٹ پر جاتے ہوئے ٹی روز پر فیوم لگا لیتے ہیں چاہے اس سے لڑکی آدھے رستے میں ہی بے ہوش ہو جائے۔

سنہرے خواب دکھانا بھی ان بوائے فرینڈز پر ختم ہوتا ہے ٹوٹے ہوئے کلچ والی موٹر سائیکل میں پچاس روپے کا پٹرول ڈلوا کر لڑکی کو سیر کرواتے ہوئے کہتے ہیں کہ عاشی میں سوچ رہا ہوں کہ اپنے بزنس کی ایک برانچ کینیڈا بھی کھول لوں اور عاشی خوشی سے جھوم اٹھتی ہے تاہم بعد میں سارا رستہ سوچتی رہتی ہے کہ کیا کینیڈا میں بھی قلندری دال چاول بک سکتے ہیں یہ بوائے فرینڈز ہر دو منٹ بعد لڑکی کو یہ بھی ضرور باور کرواتے ہیں کہ جان اگر مجھ سے دل بھر جائے تو ایک اشارہ کر دینا ساری عمر اپنی شکل نہیں دکھاؤں گا جبکہ حقیقت یہ ہوتی ہے کہ لڑکی ایک اشارہ تو کیا سو جوتیاں بھی مار لے تو بھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔یہ لڑکیوں کے محفل میں جان بوجھ کر پامسٹری کی باتیں چھیڑ لیتے

ہیں لڑکیاں تھوڑی سے توجہ دیں تو بڑی بے نیازی سے کہتے ہیں کہ نہیں نہیں میں یہ کام بہت عرصہ ہوا چھوڑ چکا ہوں اس کے ٹھیک دس منٹ بعد کسی لڑکی کا ہاتھ تھامے بڑے انہماک سے دیکھ کر اسے بتا رہے ہوتے ہیں کہ آپ زندگی میں ایک دفعہ بہت بیمار ہوئی تھی۔ بوائے فرینڈز نے زندگی میں خود چاہے کسی فقیر کو چونی تک نہ دی ہو لیکن لڑکی ساتھ ہو تو ہر فقیر کو دس کا نوٹ پکڑا دیتے ہیں یہ لڑکی سے کبھی نہیں کہتے کہ فلاں کتاب خرید لو بہت اچھی ہے انکی ایک ہی فرمائش ہوتی ہے کہ پلیز عاشی اب ویب کیم لے بھی لو نا۔ اگرچہ عاشی کے پاس آل ریڈی ویب کیم ہوتا ہے لیکن وہ بتانے کا رسک نہیں لے سکتی۔ اس قسم کے بوائے فرینڈز کو ہر وہ لڑکی پسند ہوتی ہے جو زندہ ہو اور سانس لیتی ہو۔ قیامت کے روز جب یہ بوائے فرینڈز اٹھیں گے تو مجھے یقین ہے کہ انکے نامہ عشق میں دس بیس چنگڑیاں بھی شامل ہونگی۔ میں کل ڈکشنری میں بوائے فرینڈز کا مطلب تلاش کر رہا تھا لغاتِ عاشقیہ کے مطابق بوائے فرینڈز کو اردو میں چپڑقناطیہ اور پنجابی میں چوّل کہتے ہیں یہ جان کر مجھے بہت مسرت ہوئی کہ مجھے کسی لڑکی نے اس نام سے نہیں پکارا اللہ کا شکر ہے جو بھی بلاتی ہے پورے احترام سے بغلول کہہ کر بلاتی ہے یہ ہوتی ہے دل سے عزت۔

جنت

جو بیویاں اپنے شوہروں سے ڈرتی ہیں وہ سیدھی جنت میں جائیں گی اور جو نہیں ڈرتیں اُن کی تو دنیا ہی میں جنت ہے۔

بیوی یا آمریت

شوہر: کیا آج تم میرے ساتھ واک پر چلوگی؟ بیوی: تم کہنا کیا چاہتے ہو کہ میں موٹی ہوگئی ہوں؟۔ شوہر: ٹھیک ہے۔ نہیں تو مت چلو۔ بیوی: تم کہنا کیا چاہتے ہو کہ میں لیزی ہوں۔ شوہر: اُف غصہ کیوں کرتی ہو۔ شوہر: میں نے ایسا تو نہیں کہا۔ بیوی: اچھا تو میں جھوٹی ہوں؟ شوہر: او کے بابا میں اکیلے ہی چلا جاتا ہوں۔ بیوی۔ تم اکیلے کیوں جانا چاہتے ہو؟

ہر لڑکی کی خواہش

شوہر میرا White ہو۔ لمبی اُس کی Height ہو۔ غصہ اُس کا Light ہو۔ کمائی اُس کی Tight ہو۔ ڈنر روزانہ Candle light ہو۔ جب ساس سے میری Fight ہو۔ شوہر کہے کہ بیگم تم ہی Right ہو۔ سنو!۔ رشتوں کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ لوگ انسانی تعلق میں صرف اپنی ذاتی خوشی تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر لوگ زندگی بھر ایک دوسرے کو خوش رکھنے کی کوشش کریں تو زندگی گل و گلزار بن سکتی ہے۔

قندیل شعر و سخن مشاعرہ بالہم لندن

(رپورٹ رانا عبدالرزاق خاں)

آج مورخہ ۷ مارچ ۲۰۱۶ بروز سوموار ۹۹ نائٹنگیل لین بالم پر مشاعرہ منعقد ہوا۔ لندن میں سے دُور دُور سے بہت سارے شعراء تشریف لائے تھے، محفل کے میزبان رانا عبدالرزاق خان نے بہت ہی خوش اسلوبی سے نظامت کے فرائض ادا کئے۔ آدم چغتائی برمنگھم سے تشریف لائے۔ مبارک صدیقی، عاصی صحرائی، اقبال مجیدی کرسٹل پیلس، امجد مرزا امجد بارکنگ، سوہن راہی، ڈاکٹر رحیم اللہ شاد، ڈاکٹر جمال سوری، ڈاکٹر نجیب احمد ایکٹن، نیلم جوگن، فرحانہ غزالی، ریاست رضوی، ثروت اقبال، کرشن بیدنت، محمود علی محمود، ساجد محمود رانا، رمضان شائق، واحد اللہ جاوید، خواجہ مبشر تشنہ، عبدالقدیر کوکب، نے مشاعرے میں کلام سنا کر بہت داد حاصل کی۔ جوس کیک بسکٹ کا خاطر خواہ انتظام تھا، آخر میں کھانے پیش کیا گیا۔ محفل خوب بارونق تھی۔ جناب امجد مرزا امجد نے نعتیہ کلام اور غزل سنا کر سماں باندھ دیا۔ اقبال مجیدی نے دہلوی سٹائل میں کلام سنا کر سامعین کو خوب خوش کیا، سوہن راہی نے پنجابی کلام کے علاوہ اپنے گیت بھی سنائے۔ جن کو سامعین نے بہت سراہا، نیلم جوگن نے نعتیہ کلام سنا کر سب کو حیران کر دیا، ڈاکٹر نجیب نے منیر نیازی کے انداز میں کلام سنایا، ڈاکٹر رحیم اللہ شاد جن کے دو مجموعہ کلام منظر عام پر آ چکے ہیں۔ اپنے خاص انداز میں کلام سنا کر محفل میں رنگ جما دیا۔ اقبال مجیدی، امجد مرزا امجد، سوہن راہی اور ساجد محمود رانا نے کلام سنا کر حاضرین کے دل موہ لئے۔ سب شعراء کا کلام سُن کر ہر طرف سے واہ واہ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ آدم چغتائی نے ترنم میں اپنا کلام سنا کر محفل کو چار چاند لگا دیئے۔۔ حاضرین نے دل کھول کر داد دی۔

غزل - عادل بن ریاض

کسی کو زبان پر کسی کو ذات پات پر مان ہے
کسی کو طاقت پر کسی کو کسی کی مات پر مان ہے
نہ جانے یہ غرور و فخر کی دنیا کہاں سے آئی
کیوں انسان کو اپنی اونچی اوقات پر مان ہے
اپنی حالت پر غور کر ذرا تیرا اپنا کیا ہے بھلا
اے کیڑوں کے رزق تجھے کس بات پر مان ہے
گناہوں کی دلدل میں پستی تک گرے ہوئے
تجھے جنت میں حوروں کی سوغات پر مان ہے
یہ عبادت، مذہب کا استعمال، یہ دکھاوے کی نیکی
دنیا میں لتھڑے ہوؤں کو خدائی ملاقات پر مان ہے

افسانہ

پانچویں دوکان

امجد مرزا امجد

فون پر ان کی آواز کو نہ پہچان سکا جبکہ وہ بڑی بے تکلفی سے بات کر رہے تھے حال احوال پوچھنے کے بعد میں نے جھجکتے ہوئے پوچھا کہ میں پہچان نہ سکا اگر آپ اپنا تعارف کرادیں تو انہوں نے ایک بھرپور قہقہہ مارا ''یار کمال ہو گیا ابھی تو صرف بیالیس سال ہی گذرے ہیں اور تم نے مجھے پہچاننے سے انکار کر دیا'' میرے ذہن میں کلک ہوئی یہ حاضر جوابی اور سینس آف ہیومر قاضی صاحب ہی کا کمال ہو سکتا ہے ان سے میری پہلی ملاقات گوجر خان میں دوکانداری کے زمانے میں میرے عزیز دوست خلیل الرحمن کے توسط سے ہوئی تھی اور آخری بھی خلیل کی دوکان میں جو میری دوکان کے بالمقابل تھی میں یہ کبھی نہ جان سکا کہ قاضی صاحب کا شغل کیا ہے مگر موصوف پڑھے لکھے اور کسی اچھے عہدے پر تھے انگلینڈ آنے کے بعد خلیل کی دوستی رنگ لائی اور وہ بھی نہ رہ سکا اور مجھ سے دو ماہ پہلے پہنچ گیا وجہ میرے بائی روڈ اور اس کے بائی ائیر آنے کی تھی ہم دونوں لنکا شائیر میں ایک چھوٹے سے گاؤں ''نیلسن'' میں تین ماہ رہے مگر میں خوب سے خوب تر کی تلاش میں تیس میل دور ایک شہر ''پریسٹن'' چلا گیا پھر کئی بار کی کوشش کے باوجود بھی خلیل الرحمن نہ مانا اور ہمیشہ کے لئے نیلسن ہی کا ہو کر رہ گیا۔ خلیل میرا وہ بچپن کا دوست ہے جس نے بڑھاپے تک دوستی کا چھتنا ور درخت بن کر اپنی خلوص و محبت بھری باہیں پھیلائے رکھیں اور مجھے پردیس کی تنہائی کی روح جھلسا دینے والی دھوپ سے بچائے رکھا ہر دکھ سکھ اونچ نیچ اور اچھے برے وقت میں ساتھ دیا اس سے بڑا قناعت پسند اور صابر انسان زندگی میں نہ دیکھا جس نے ایک ہی شہر ایک ہی فیکٹری اور ایک ہی مکان میں تمام زندگی گذار دی۔ نہ پاکستان بنگلے کوٹھیاں بنوائیں نہ یہاں بینک بیلنس بڑھائے نہ کسی سے کچھ لیا نہ کسی کو کچھ دیا، جس سادگی سے جو کمایا اسی پر قناعت کی۔ جبکہ میں چالیس سال کی مدت میں سات شہروں کی خاک چھانتا لندن سیٹ ہوا اور اٹھائیس نوکریوں کے تمغے سینے پر سجائے، کمایا بھی کھایا بھی بھیجا بھی بچایا بھی اور کچھ بنایا بھی مگر والدین کی نیک دلی سے ایسا توازن قائم رہا کہ کبھی کسی پہ گلہ نہ ہوا۔ میری اور خلیل کی فقید المثال بے غرض اور مخلص دوستی کی زمین میں کبھی فروگذاشت، غفلت یا کج ادائی کی دراڑ تک نہ پڑی، ملاقات کے ساتھ ساتھ خط و کتابت اور فون کا رابطہ آج تک نہ ٹوٹا۔ قاضی صاحب کے ساتھ بھی اس کی دوستی اسی طرح عمر کے ساتھ ساتھ بڑی ثابت قدمی کے ساتھ چلتی رہی اور ایک دن قاضی صاحب بھی انگلینڈ آ گئے کیوں اور کیسے نہ اس نے بتایا نہ میں نے پوچھا، مگر جب بھی ہماری بات چیت فون پر ہوتی وہ ان کا کوئی نہ کوئی ذکر ضرور کرتا اور لازمی بات ہے میرا بھی ذکر ان سے ہوتا ہوگا کہ فون پر قاضی صاحب کی باتوں سے ظاہر ہوا کہ وہ میری تمام مصروفیات کی خبر رکھتے ہیں اور مقامی رسائل و اخبارات میں میرے افسانے کہانیاں پڑھنے کے علاوہ میری دونوں کتابوں کا مطالعہ بھی کر چکے ہیں جو لازمی خلیل الرحمن کا کرشمہ ہی تھا جس نے دوستی کے اس پل کو قائم کر رکھا۔

اور جب قاضی صاحب نے میری لکھی ہوئی کہانیوں کی تعریف کے بعد یہ گلہ کیا کہ آپ نے یہاں رہنے والے پاکستانیوں کے تقریباً تمام مسائل کو قلمبند کیا، مگر ایک ایسا دکھتا پہلو بھی ہے جو شاید آپ کی نظر میں نہ آ سکا یا کسی مصلحت کی بناء پر اس پر نہ لکھا گیا اور وہ ان لوگوں کے متعلق ہے جو کئی سالوں کی شبانہ روز کی محنت اور خون پسینے کی کمائی اپنے وطن میں عزیز و اقارب کو بھیجتے رہے اور پھر جب کئی سالوں کے بعد سنہرے خواب سجا کر واپس گئے تو وہاں دھوکے فریب اور کج ادائی کے تپتے صحرا میں اپنوں کی بیگانگی اور روکھے پن کی تپش میں روح جھلسا کر واپس آ گئے ،ان کی برسوں کی کمائی کا کہیں نام و نشاں نہ رہا اور اگر کچھ ہے بھی تو دوسروں کے نام! پھر انہوں نے اپنے ایک دوست کا واقعہ سنایا کہ وہ آٹھ سال پگھلتے لوہے کی بھٹی کے سامنے کام کر کے جسم پر اُڑتی چنگاریوں کے نشان سجا کر وطن واپس یہ سوچ کر گیا کہ اس کے چچا نے، جسے وہ تمام رقم بھیجتا رہا، کہ باپ مرا ہوا تھا اور بوڑھی ماں اور جوان بہن کو چچا نے سہارا دیا تھا اور اس کے اصرار پر چچا گاؤں چھوڑ کر شہر آن بسا تھا اور اپنے چار بیٹوں اور ایک بیٹی کے ساتھ اسی کے اخراجات پر اسی کے مکان میں رہ رہا تھا، اس کے نام پر بازار میں چار دوکانیں خرید رکھیں ہیں جن کا کرایہ اس قدر آ جاتا ہے کہ شادی کے بعد آرام سے صحن میں بکائین کی ٹھنڈی چھاؤں میں بیٹھ کر باقی زندگی گذر جائیگی انہی خوابوں کی لہروں میں لہراتا جب وہ گھر پہنچا اور چند دن بعد مہمان نوازی سے فارغ ہوا تو چچا صاحب سے کہا کہ چل کر اسے وہ بازار کی دوکانیں تو دکھائیں جو اس کے نام سے لی گئی ہیں تو چچا جان حیران ہو کر بولے ''تمہارے نام لی ہیں! نہ میرے بیٹے! میں نے یہ کہا تھا وہ لی ضرور ہیں مگر تمہارے ان چار چچا زاد بھائیوں کے نام، کہ یہ اب جوان ہو گئے ہیں تم اتنے سالوں تک انہیں وہاں بھی نہ بلا سکے اب بھلا اس مہنگائی کے دور میں یہ بے چارے بے روزگار اس ملک میں کس کے سہارے زندگی بسر کریں گے تم تو پھر بھی واپس جا کر مزید کما لو گے مگر ادھر ہمارے پاس تو کوئی ذریعہ نہیں ہے۔'' اور جب چند دنوں کی بک بک کے بعد چچا جان نے دیکھا کہ وہ نہیں مان رہا تو بولے ''پھر ایسا کرتا ہوں ان دوکانوں کے بازو میں ایک اور دوکان تھی جو میں نے ان چار دوکانوں سے ملنے والے کرائے سے پیسے بچا کر خرید لی تھی کہ کل بیٹی کو بھی تو کچھ دینا پڑے گا وہ میں تمہارے نام کر دیتا ہوں۔'' اور اس طرح اس نے وہ پانچویں دوکان چچا سے اپنے نام کروالی۔

کچھ دنوں بعد جب شادی کی بات چلی تو پتہ چلا کہ چچا اور ماں نے یہ رشتے بھی بہت پہلے کے طے کئے ہوئے ہیں۔ لہٰذا اس کی شادی چچا کی لڑکی کے ساتھ ہو گئی اور اس کی بہن کی شادی چچا زاد کے ساتھ اور وہ آتے وقت اپنا مکان بہن کے نام ٹرانسفر کروا آیا کہ رہنا تو انہی لوگوں نے ہے تو اس طرح بہن کی عزت بنی رہے گی، اور چھ ماہ کے بعد واپس انگلینڈ آ گیا۔

کال کافی طویل ہو گئی قاضی صاحب نے رابطہ رکھنے کا وعدہ لے کر خدا حافظ کہا تو میں نے فوراً کراس سوال کر دیا۔

''قاضی صاحب آپ نے پھر پانچویں دوکان کا کیا کیا۔۔۔ بیچ دی تھی یا کرایہ پر ہی ہے۔؟''

وہ یکدم بولے ''نہ یار! وہ شادی کی پہلی رات منہ دکھائی کے طور پر بیوی کو تحفہ دے دی تھی'' اور پھر رسیور میں ان کی کھسیانی سی ہنسی کی آواز آئی اور لائین بند ہو گئی...